Title - MASNAVI GULZAR NASEEM

Creator - Daya Shankar Naseem; Murattib Fida Ali Khanjar Lucknavi

Publisher - Naami Press (Lucknow).

Date - 1929

Pages - 72

Subjects - Masnaviyaat; Urdu Shayari -viyaat

مثنوی
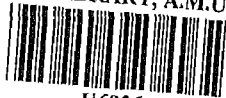
گلزار نسیم

مع مقدمہ و مختصر حالات

از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

باہتمام

قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

مقدمہ

منشی دیا شنکر نسیم لکھنوی کشمیری پنڈت اور عہد شاہی میں فوج کی منصبی پر سرفراز تھے جو اُس عہد میں نہایت معزز عہدہ خیال کیا جاتا تھا۔ سخن پرستی کا دور دورہ تھا۔ آتش و ناسخ کی شاعری کے سکے جاری تھے۔ دونوں استادوں کے جواں سال و جولانِ طبیعت تلامذہ وزیر، صبا، رند، خلیل وغیرہ کی طبع آزمائیاں چمنستانِ سخن میں گل کاریاں کر رہی تھیں۔ پنڈت جی طبعی ذوق رکھتے تھے۔ اور خواجہ آتش کے کہنہ مشق شاگردوں میں تھے۔ جملہ اصنافِ سخن میں بے تکلف جودتِ طبع کے جوہر چمکاتے تھے لیکن اس جگہ شاعری کی دوسری صنفوں میں بحث کرنا منظور نہیں ہم صرف انکی مشہور و معروف تصنیف گلزارِ نسیم کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

مثنوی گلزارِ نسیم محمد علی شاہ کے زمانہ میں تصنیف کی گئی سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ ہے اور مثنوی کے آخر میں پنڈت جی کی تصنیف کی ہوئی تاریخ مرقوم ہے ۔ ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد + گلزارِ نسیم نام بنہاد + شنید ز نوید ہاتفے داد + تو قیع قبول روز تیش باد ۱۲۵۴ھ

اسمیں بالکل کلام نہیں کہ مثنوی اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور میر حسن کی مثنوی کے بعد جو شہرت جو مقبولیت اس مثنوی کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی اختصار کی تمثیل خوبی کے علاوہ صنائع و بدائع اور صنعت مراۃ النظیر نے ہر بیت کو دلہن کی طرح سجا دیا ہے۔ لطف یہ کہ جتنی مرتبہ جس قدر غور سے پڑھا جائے ذائقہ سخن بڑھتا جاتا ہے اور جب ذہن اسکے دقائق اور نزاکت فن تک پہونچتا ہے تو وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس میں ایسی لطیف استعارے اور نازک خیالی کے نمونے موجود ہیں جو اردو شاعری کی انتہائی ترقی کی خبر دیتے ہیں اگر اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے گلزارِ نسیم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو ہمیں ترقی یافتہ شاعری کے بہت سے ارکان مکمل دکھائی دیتے ہیں اختصار پر تو اس مثنوی کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ التزام اول سے آخر تک قائم ہے نازک خیالی اور جودتِ طبع کے نمونے بھی جا بجا جواہر ریزوں کی طرح ضو فشانی کر رہے ہیں۔ چونکہ اردو شاعری کی ابتدا سے فارسی کی تتبع ہے اسلئے شعراء کی تصنیفات حمد و نعت سے شروع ہوتی ہیں اور یہ طریقہ مسلمانوں ہی میں رائج نہیں بلکہ اہلِ ہنود بھی اس اصول کے پابند ہیں۔ پنڈت دیا شنکر نسیم نے بھی اپنی مثنوی میں ان امور کی پابندی کی ہے اور نہایت اختصار کیساتھ محض چار بیتوں میں اس وسیع میدان کو طے کر گئے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ نام کی رعایت سے بہاریہ مضامین کیساتھ تمہید و تمجید کو دست و گریباں کر دیا ہے جو انکی مشاقی اور قدرتِ سخن پر دال ہے ۔ ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری + ثمرہ ہے قلم کا حمد باری + کرتا ہے یہ دو زبان سے یکسر حمد حق و مدحتِ پیمبر + پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے + یعنی کہ مطیع پنجتن ہے + ختم اسپہ ہوئی سخن پرستی + کرتا ہے زبان کی پیش دستی چاروں مصرعوں میں سلسلہ بیان، تدارج خیالات، تناسب لفظی، لطف بیان، جذبِ تخیل، جودتِ ذہن۔ اور نزاکتِ فن کیساتھ ساتھ صنائع و بدائع شعری کافی حد تک موجود ہیں۔

جس طرح اصولاً آغاز میں حمد و نعت لازم و ملزوم ہے اسی طرح مناجات بھی ضروری چیز خیال کی جاتی تھی یہ دستور محض ایشیا کے شعرا میں محدود نہیں رہا بلکہ مغربی شاعروں کی بھی بعض تصانیف میں مناجات نثر و نظم میں نکلتی ہے۔ نسیم نے بھی گلزار نسیم میں حمد و نعت کے بعد مناجاتیہ اشعار نظم کیے ہیں، اور محاورات کی پختگی، بلاغت اور قدرتِ زبان کی کافی و وافی شہادت دی ہے لیکن اختصار کی چھری نے تیسرے اور پانچویں شعر میں تسلسل کے سلسلے کو قطع کر دیا ہے جس سے پڑھتے وقت نگاہ کو ٹھوکر لگتی ہے۔ ؎

یارب مرے خامہ کو زباں دے + منقارِ ہزار داستاں دے + افسانۂ گل بکاولی کا + افسوں ہو بہارِ عاشقی کا + ہر چند سنا گیا ہے اس کو + اُردو کی زباں میں سخن گو + وہ نثر تھا اور نظم دوں میں + اس مے کو دو آتشہ کروں میں + ہر چند کہ اگلے اہلِ فن تھے + سلطانِ قلمروِ سخن تھے + آگے اُنکے فروغ پایا + سورج کو چراغ ہے دکھانا + پر بحرِ سخن بھرا ہے باقی + دریا نہیں کار بند ساقی + طعنہ سے زبان نکتہ چیں روک + رکھ لی مری اہلِ خامہ میں نوک + خوبی سے کرے جو دلوں کو تسخیر + ہے نہر کے نسیم باغ کشمیر + نقطہ ہوں سویدا خوش بیانی + جدول ہو حصار نثر خوانی + جو نقطہ لکھوں رہیں حیرت آگے + مرکز پہ شش ہری پہنچ جائے۔

اب کچھ مثالیں رمز و کنایہ کی دکھائی جاتی ہیں اس موقع پر اشارات کی پختگی کے ساتھ خیالات میں جدت اور طرزِ بیان میں عجیب شوخی قابلِ داد ہے۔ عاشق و معشوق کی ذہانت و طباعی اور بے ساختہ مکالمہ کے ساتھ تشبیہ و استعارہ اور محاورات کی خوبیاں اپنا حق ادا کر رہی ہیں ؎

تجھ پر وہ صبح ہوگیا فاش خنداں اٹھا وہ شاباش اس غنچہ دہن کا مسکرانا بے رنگ بکاولی نے جانا منھ تو منھ کہا ہنسی کیوں
ہنستا نہیں سبب کوئی یوں بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا آتش کیا آپ دیکھتا تھا بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر دل سوز ہی کر لگا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں خورشید تھا آتش شفق میں بولی وہ کہ مہرباں تب و روز عالم میں ہے گردش افروز بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا۔
گلزار خلیل رہگذر تھا۔ بولی وہ بشر ہو تم دلاور سرسبز ہو قوم آتشی پر بولا کہ دکھائی اک شبستاں شعلہ ہوا انجمن میں پنہاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہیں جو نارِ نجات آتشی ہوں بولا وہ کہ جب ہوا اجالا بخشا مہ انجمن نے ہالا ہالہ مہ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا گھبرائی پری کہ ہیں کیا ہے بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے کہا دلہن تھا جسکے رات لایا پہچانتی ہو وہ پھیلنے والا،

محاورات ضرب الامثال کی بھی کمی نہیں نسیم کے کلام کی مقبولیت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ مثنوی کے اشعار ضرب المثل کے موقع پر گوشزد ہوتے ہیں، فتنہ سے مفر ہے نادامن تقدیر کی گرد با ہے دامن کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

گلزار نسیم میں سب سے بہتر خوبی یہ ہے کہ وہ اول سے آخر تک ایک رنگ میں ڈوبا ہے جو روش شروع میں اختیار کی گئی وہ آخر تک قائم ہے۔ سب سے پہلے اختصار کو لیجیے۔ اسکی نسبت خود اہلِ نسیم کا بہت درست دعویٰ ہے کہ کسی جگہ سے اگر ایک بیت بھی کم کر دیجائے تو قصہ کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی تناسب لفظی کی حالت ہے کہ مثنوی کی ہر بیت جوتھی کی دلہن معلوم ہوتی ہے۔ تلاش کرنیوالی نگاہیں بڑی چھان بین کے بعد سادی سے سادی بیت بھی نکالیں تو اس میں صنعتوں کی

جھلک جگمگاتی دکھائی دے شلا ؎ ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے - بو ہو کے تو گُل اڑا نہیں ہے۔

خیالات کو تشبیہ و استعارات کی صورت میں بیان کرنا شاعری کی آخری منزل اور معراج کمال ہے اور یہ فخر گلزار نسیم کو کما حقہٗ حاصل ہے۔ اسکے تمام مطالب اس پیرایہ میں ادا ہوئے ہیں۔ فراق و وصال کے مناظر جنکی بنیادیں محض جذبات و حسیات قلبیہ پر منحصر ہوتی ہیں صنائع و بدائع کے محتاج نہیں انکو جسقدر سادگی سے بیان کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے لیکن نسیم نے اپنا رنگ قائم رکھتے ہوئے معاملہ بندی میں بھی تناسب لفظی کو بدستور قائم رکھا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان موقعوں پر اسکے سحر طراز قلم نے پورا جادو کر دکھایا ہے۔ ایک جگہ دل کی تصویر اُتارتے ہیں یوں نازک خیالی دکھائی ہے ؎

کاوش پہ ہوا گہر سے الماس ؛ شیشے نے بجھائی آگ کی پیاس ؛ پتھر ہجر کا دل گداز مرقع کھینچتے ہیں جو الفاظ اور خیالات صرف کئے ہیں انمیں مرصع کاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے ؎ صورت میں خیال رہ گئی وہ + ہیئت میں مثال رہ گئی وہ

جذبات رنج و غم اور غیظ و غضب کا منظر اس مثنوی (گلزار نسیم) کی جان ہے۔ جب بکاؤلی کا پھول چوری گیا ہے اور اسنے غصہ کی حالت میں لونڈیوں باندیوں اور باغ کے محافظوں کو عتاب آمیز عنوان سے مخاطب کیا ہے ایک ایسا نقشہ ہے جسمیں فطرت شعر کی چلتی ہوئی تصویریں تصنع کے زیورات سے لدی پھندی دکھائی دیتی ہیں جو چیزوں کے نام چمن سے مناسبت رکھتے ہیں اسلئے تلازمہ کی دلکش شان پیدا ہو گئی ہے اور شاعر نے فصاحت و بلاغت کی گلہائے افشانی کرتے ہوئے زور بیان کی داد دی ہے ؎

سنبل مرا تازیانہ لانا شمشاد سے سولی پر چڑھانا نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سوسن نے زباں درازیاں کیں بتّا بھی پتا کو جسنے پایا کہنے لگیں کیا ہوا خدایا اپنوں میں سے پھول لے گیا کون بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا اوپر کا تھا کون آنیوالا او باد صبا ہوا نہ بتلا خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا انگلی لب جو پہ کہہ کے شمشاد
تھا دم بخود اسکی سنکے فریاد۔

اس قسم کی مثالوں سے مثنوی کا دامن بھرا ہوا ہے۔ ادائے مطالب کی جلوہ گری آپ اپنی نظیر ہے۔ زبان کی عمدگی محاورات کی خوبی صنائع و بدائع اور محاسن شعری کی دلکش سلاست بیان اور فصاحت نظم چستی بندش حسن تخیل سب ہی کچھ موجود ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ حسن فطری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا گویا ابتدا سے انتہا تک آورد ہی آورد ہے ۔

پنڈت جی کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ ممکن تھا کہ وہ کوئی اور مثنوی لکھ کے اس کمی کو پورا کر دیتے۔ اُنھوں نے اپنے استاد (آتش) کے سامنے سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا اور "گلزار نسیم" اپنی یادگار چھوڑی جو اردو زبان کی بقا و موجودگی تک سدا بہار بنی رہیگی۔"

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے یعنی کہ مطیع پنجتن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی کرتا ہے زباں کی پیش دستی

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کیواسطے

یا رب مرے خامے کو زباں دے منقار ہزار داستاں دے
افسانہ گل بکاؤلی کا افسوں ہو بہار عاشقی کا
ہر چند سنا گیا ہے اس کو اردو کی زباں میں سخن گو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں اس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہر چند اگلے جو اہل فن تھے سلطان قلمرو سخن تھے
آگے ان کے فروغ پانا سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر بحر سخن سدا ہے باقی دریا نہیں کار بند ساقی
طعنے سے زبان نکتہ چیں روک رکھے مری اہل خامہ میں نوک
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر نیرنگ نسیم باغ کشمیر
نقطے ہوں سپید خوش بیانی چہرہ گل ہو حصار سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے ہرگز نہ کشش مری ہو بیجا سے

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان پاستانی یوں نقل ہے خامے کی زبانی
پورب میں ایک تھا شہنشاہ سلطان زین الملوک ذی جاہ
لشکر کش و تاجدار تھا وہ دشمن کش و شہریار تھا وہ
[illegible] چار فرزند دانا عاقل ذکی خردمند

نقشہ ایک اور نے جمایا
پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا

امید کے نخل نے دیا بار
خورشید حمل ہوا نمودار

وہ نور کے صدقے تھا انور
وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر

نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
چشمک تھی نصیب اُس پدر کو

خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے
ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے

پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو
پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو

نظروں سے گرا وہ طفل ابتر
مانند سرشک دیدۂ تر

پردے سے نہ دایہ نے نکالا
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

تھا افسر خسروان گلفام
پایا تاج الملوک رکھ نام

جب نام خدا جواں ہوا وہ
مانند نظر رواں ہوا وہ

آتا تھا شکار گاہ سے شاہ
نظارہ کیا پدر نے ناگاہ

صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
بینائی کے چہرے پر نظر کی

پھر لب بشر ہوئی خموشی
کی نور بصر سے چشم پوشی

دی آنکھ جو شہ نے رونمائی
چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی

ہر چند کہ پادشہ نے ٹالا
اُس ماہ کو شہر سے نکالا

گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور
خارج ہوا نور دیدۂ کور

آیا کوئی لے کے نسخۂ نور
لایا کوئی جا کے سرمۂ طور

تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور
بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور

ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے
مختار ہے جس طرح نباہے

جانا چاروں طرف شاہزادوں کا بتجویز کحال تلاش گل بکاؤلی کو

پایا جو سفید چشم صفحا
یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا

تھا ایک کحال پیر دیریں
جیسے کی تھیں اُسنے آنکھیں دیکھیں

وہ مرد خدا بہت کراہا
سلطان سے ملا کہا کہ شاہا

ہے باغ بکاؤلی میں اک گل — پلکوں سے اُسی پہ مار جھنگل
خورشید میں یہ ضیا کرن کی — ہو مہر گیا اُسی چمن کی
اُسنے تو گل ارم بتایا — لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار — رخصت کیے شہ نے چار ناچار
شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ — لشکر اسباب خیمے خرگاہ
وہ بادیہ گرد خانہ برباد — یعنی تاج الملوک ناشاد
میدان میں خاک اُڑا رہا تھا — دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
پوچھا تم لوگ کس کے خیل — جاتے ہو کدھر کو صورت سیل
بولا لشکر کا اک سپاہی — جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
سُلطان زین الملوک شہزور — دیدار پسر سے ہو گیا کور
منظور علاج روشنی ہے — مطلوب گل بکاؤلی ہے
گل کی جو خبر سنائی اُسکو — گلشن کی ہوا سمائی اُسکو
ہمرہ کسی لشکری کے ہوکر — قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی — یوں لاتی ہے رنگ بد طرازی
یک چند پھرا کیا وہ انبوہ — صحرا صحرا و کوہ در کوہ
بلبل ہوے سب ہزار جی سے — گل کا نہ پتا لگا کسی سے
وارد ہوے اک جگہ سر شام — فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نہر تھی شہر کے برابر — ٹھٹکے سیارے کہکشاں پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے — جویاے گل اُسطرف تھا بیتاب
دلبر نام ایک بیسوا تھی — اُس ماہ کی واں قمار سیم و زر
دروازے سے اُسکے فاصلے پہ گھر تھا — نقارہ پہ لو سوے دلبر آیا
بیجا و بجا نہ سمجھے انجان — نقارہ و چوب میں پڑی چوٹ

دراز پہ وہ لگی ہوئی تھی | آپ آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی
جس شخص کو مالدار پاتی | باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بٹھلا کے جوے کا ذکر اُٹھا کر | چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
جیت اسکی تھی ہاتھ جو کچھ آتا | اُسکا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
بلی کا سر چراغدان تھا | چوہا پانسے کا پاسبان تھا
اُلٹاتی اڑی پہ قسمت آسا | بلی جو دیا تو موش پاسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں | قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں
صیاد نی لائی پھانس کر صید | کرسی پہ بٹھا لئے نقش اُمید
گھاتیں ہوئی دلربائیوں کی | باتیں ہوئیں آشنائیوں کی
رنگ اسکا جما تو لا کے چوسر | کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے | بازی جو سر کی کھیل سمجھے
مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے | سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جو اُٹھا | پھندا ہونا بدا ہوا تھا
دو ہاتھ میں چاروں اُسنے لوٹے | پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
اک اک سے رات بھر نہ چھوٹا | پو پھٹتے ہی جگ اُنکا لوٹا
زندان کو سبھی چلے مچل کر | نزدوں کی طرح پھرے نہ چلکر
لشکر میں سحر جو گیا سوئے شہر | پانی سا پھرا نہ جانب نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاؤلی میں

لانا زر گل جو ہے ارم سے | یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے
جاتا پیک رواں کا گرد لشکر | بیٹے تاج الملوک ابتر
پایا جو سفر ہوا کہ یا الٰہی | لشکر پہ پڑی کیا تباہی
تھا ایک کہاں تو پیچھے ملکر | گذرا در باغ بیسوا پر
وہ مرد خجستہ سربلند پایہ | نکلی اندر سے ایک دایہ

لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُسکا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُسکو
جاتے تھے اُدھر سے دو جواری
کہتے تھے فریب دو گے کیا تم
ذکر اپنے برادروں کا سنکر
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
بولی وہ کہ ہاں جو ہے بدکام
بلّی پہ چراغ رکھ کے شب کو
پانسے کی ہو کل چراغ کے ساتھ
شہزادے کہیں کے تھے بڑا اقبال
بھائی تھے جوش خون کہاں جائے
پانسے کا چراغ کا اولٹ پھیر
سوچا وہ کہ ابتو ہم ہیں آگاہ
اک بلّی جو جھپٹی چوہے کو بھانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
جو سر ہی سکے سیکھنے کو یکسر
اک روز اُسے ملگیا امیر ایک
اشراف سمجھ کے لے گیا گھر
اُس شکل کے جو ہاتھ میں زر آیا
ملتی کھلی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ

ہمشکل یہ سر لقا تھا اُسکا
فرزند اسی ہمشکل کا تھا میرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
گھر لائی وہ ہنسی خوشی سے اسکو
اک ایک کی کر رہا تھا خواری
شہزادے نہ ہم نہ بیسوا تم
بولا وہ عزیز سُن تو مادر
شہزادوں کو جسنے فتح کیا ہے
دلبر اک بیسوا ہے خودکام
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
وہ بلّی کے سر پہ چوہے کے ہاتھ
بندے ہوئے ہار کر زر و مال
صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
سوچا نہ اُنھیں یہ دیکھو اندھیر
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
نیولے نے بھگا دیا دکھا سانپ
نیولا پکڑ آستین میں پالا
گھوما وہ برنگ زرد گھر گھر
وہ صاحب جاہ دل سے تھا نیک
بخشا اُسے اسپ و جامہ و زر
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

آواز وہ سن کے در پہ آئی — ہمراہ اُسے لیکے اندر آئی
کام اُسکا تھا بسکہ کھیل کھانا — چوسر کا جما وہ کارخانہ
وہ چشم و چراغ بیسوا کے — کرنے لگے تاک جھانک آکے
نیولا وہ کہ مار آستین تھا — چٹکی کے بجانے ہی وہیں تھا
بلی تو چراغ پا تھی خاموش — بل ہوگیا موش کو فراموش
ہنس ہنس کے حریف نے رُلایا — مانند چراغ اُسے جلایا
ہارے بہ ہزار بد دماغی — لی خضر نے غول سے چراغی؟
پانسے سے چلی نہ جعل سازی — اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی
سب ہار کے نقد و جنس بارے — جیتے ہوئے بندے بد کے ہارے
بنیاد جو کچھ تھی کل جب گنوائی — تب خود وہ کھلاڑ ٹھہرے آئی
پھر پانسے نے کی نہ پاسداری — ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری
پانسے کی بدی سے ہے آشکارا — راجہ نل سلطنت ہے ہارا
دانا کرے کب اس طرف میل — ہارا ہے جوے کے نام سے بیل
ہارے دیکھا جو بیسوا نے — بندہ کیا عنبر کا خدا نے
سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے — شادی کا مزہ نکال رہیے
بولی بہ ہزار عجز و زاری — تم جیتے میاں میں ہے ہاری
لونڈی ہوں نہیں عدول مجھکو — خدمت میں کرو قبول مجھکو
بولا وہ کہ سن یہ پیشہ ہے چھوڑ — نقارۂ زر کو جب سے توڑ
یہ مال یہ زر یہ جیتے بندے — یوں نہیں انھیں رکھ بخش چندے
بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم — انشاء اللہ آتے ہیں ہم
بولی وہ سنو تو بندہ پرور — گلزار ارم ہے پریوں کا گھر
انسان دیو کا سامنا کیا — مٹی میں ہوا کا تھامنا کیا
شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر — کچھ بات نہیں جو رستے دلبر

انساں کی عقل اگر نہ ہو گم — ہر چشم پری میں جا ہے مردم

یہ کہہ کے اٹھا کہا کہ نوجوان — جاتے ہیں کہا خدا نگہبان

دولت تھی اگرچہ اختیاری — یامردی سے اسپ لات ماری

جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ — جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ

درویش تھا بندۂ خدا وہ — اللہ کے نام پر چلا وہ

پہونچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاؤلی میں اور گل لیکر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ — یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ

وہ دامن دشت شوق کا خار — یعنے تاج الملوک دل زار

اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد — صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد

سائے کو پتا نہ تھا شجر کا — عنقا تھا نام جانور کا

مرغان ہوا تھے ہوش راہی — نقش کف پا تھی ریگ ماہی

وہ دشت کہ جس میں پرتگ و دو — پا رنگ رواں تھی یا وہ رہرو

ڈانڈا تھا ارم کے بادشا کا — اک دیو تھا پاسباں بلا کا

دانت اسکے گورکن قضا کے — نتھنے رہ عدم کے ناکے

سرپہ پایا بلا کو اس نے — تسلیم کیا قضا کو اس نے

بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک — فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک

بے ریشہ یہ طفل نوجواں تھا — حلوائے بے دود بے گماں تھا

بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں — اللہ اللہ شکر احساں

شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے — اندیشے سے رہ گیا دہل کے

بیل مارنے کی ہوئی جو دیری — سبحان اللہ شان تیری

اشتر کئی جا رہے تھے ادھر سے — بھر آئے درو روغن و شکر سے

وہ دیو لپک کے مار لایا — غراتے ہوئے شکار لایا

اونٹوں کی جو لوتھیں ڈھو لایا — دم اسکا نہ اس گھڑی سمایا

پورا کے وہیں وہ بار بر دوش ‏ ‏ بیٹھا تو گرا گرا تو بیہوش

چاہا اُس نے کہ مار ڈالو ‏ ‏ یا بھاگ سکو تو راستہ لو

وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے ‏ ‏ سب بھاگ اٹھے سے بھائیوں کے

میدا بھی شکر بھی گھی بھی پایا ‏ ‏ خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا

میٹھا اس دیو کو کھلاؤ ‏ ‏ گر اس سے جو مرے تو زہر کیوں دو

حلوے کی پکا کے اک کڑاہی ‏ ‏ شیرینی دیو کو چڑھائی

ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا ‏ ‏ حلوے سے کیا منہ اسکا میٹھا

کہنے لگا کیا مزا ہے دیکھو واہ ‏ ‏ اے آدمی زاد واہ وا واہ

چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو ‏ ‏ کیا اسکی عوض میں دوں میں تجھ کو

بولا وہ کہ پہلے قول دیجے ‏ ‏ پھر میں جو کہوں قبول کیجے

وہ ہاتھ پر اُسکے مار کر ہاتھ ‏ ‏ بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ

بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے ‏ ‏ بد عہدی کی کچھ نہیں سزی ہے

گلزار ارم کی ہے مجھے دھن ‏ ‏ بولا کہ ارے بشر وہ گلبن

خورشید کے ہم نظر نہیں ہے ‏ ‏ اندیشے کا واں گذر نہیں ہے

واں موج ہوا ہوا پہ اژدر ‏ ‏ واں ریگ زمیں زمیں پہ اخگر

ہوتا نہ جو قول کا سہارا ‏ ‏ بچتا نہ کہیں تو اے بشر ہارا

رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور ‏ ‏ تا پیچھے اُس سے بن پڑے طور

اک ٹیکرے پر گیا بلایا ‏ ‏ وہ مثل صدا کے تو وہ آیا

حال اُس سے کہا کہ قول ہارا ‏ ‏ ہے پیسر یہ نوجوان ہمارا

مشتاق ارم کی سیر کا ہے ‏ ‏ کوشش کرو کام خیر کا ہے

حمالہ نام دیو کی ایک ‏ ‏ چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک

خط اسکو لکھا بایں عبارت ‏ ‏ اے خواہر مہرباں سلامت

پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد ‏ ‏ رکھیو اسے جس طرح مری یاد

انسان ہو چاہیے کچھ جو سازش — مہمان ہے کیجو نوازش

خط لے کے بشر کو شلے اڑا دیو — پہونچا حمالہ پاس لے دیو

بھائی کا جو خط بہن نے پایا — بھیجے ہوئے کو گلے لگایا

اُس دیو کی پاس اک حسین تھی — زنبور کے گھر میں انگبین تھی

محمودہ نام دخت آدم — لے آئی تھی دیکھنے دیو کی دم

جوڑا ہمجنس کا ہاتھ آیا — محمودہ نے گلے لگایا

دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ — دو وقت سے شام کو ملے وہ

تھے ضبط و حیا کے امتحان میں — پردہ رہا ماہ میں کتاں میں

آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ — خاطر کی طرح گرہ رہے وہ

بولا وہ فسردہ دل سحرگاہ — کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ

بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے — جو غنچے کو گل کرے صبا ہے

بولا وہ کہ تھی تو چاہتا ہوں — گل پانوں تو میں ابھی ہوا ہوں

پیراہن گل کی بو تھی مطلوب — یوسف نے کہا وہ حال یعقوب

اول کبھی بدنگاہ ہی اپنی — بعد اُسکے وہ سب تباہی اپنی

کھولی تھی زبان منہ اندھیرے — کہتے سنتے اُٹھے سویرے

پوچھا حمالہ نے مہربان — ہمجنس ملا نکالے ارمان

بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم — دل سرد رہا بغل ہوئی گرم

ناکامی کے جب وہ طور سمجھی — وہم اُسکو ہوا کچھ اور سمجھی

پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے — درماں ہی کہ درد لا دوا ہے

بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن — تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن

وہ بولی جو تو کہے زباں سے — تارے تو اُتار دوں آسماں سے

جھمکو چھپا کے زیر چادر — محمودہ نے کہا کہ مادر

باپ اسکا ہو اندھے پن سے مجہول — مطلوب بکاؤلی کا ہے پھول

ل داغ اسکا برا ہے گل ہے
ساعی تھی بدل پہ کہنے والی
دیوؤں سے کہا کہ چہ ہے بنجاؤ
سن حاجت نقب بہر گلگشت
پوشیدہ زمیں سے دلمیں کی راہ
جب بھر تہ زمیں سما یا
صحن چمن ارم میں اک جا
کھٹکا جو لگا ہیا نوں کا تھا
گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے
گو باغ کے پاسباں غضب تھے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
خوش قد وہ چلا گل وسمن میں
ایوان بکاؤلی جدھر تھا
رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب
پھول اُسکا اندھے کی دوا تھا
پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل
پوشاک اتار اتر کے لایا
گل لے کے بڑھا ایاغ برکف
بارہ دری واں جو سونے کی تھی
گول اسکے ستون تھے سیاہ دجور
دکھلاتا تھا وہ مکان جادو
پردہ جو حجاب سا اُٹھایا
بندا سکی وہ چشم نرگسی تھی

نرگس کے لیے ہوا سے گل ہو
راہ اُسنے سُرنگ کی نکالی
تا باغ ارم سرنگ پہونچاؤ
کترا جو ہوں اپنے دامن دشت
جد باندہ کے خوش پھرے اُسی راہ
اُس نقب کی راہ وہ آدم آیا
لوٹا سا تہ زمیں سے نکلا
دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا
خوشہ کوئی تا کتا نہ ہووے
خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے
سوسن کی زباں خدا نے کی بند
شمشاد رواں ہوا چمن میں
حوض آئینہ وار ہم وہ رکھتا
چندے خورشید و چندے مہتاب
رشک جام جہاں نما تھا
پہونچا لب حوض سے نہ چنگل
پھولا نہ وہ جامے میں سما یا
چوری سے چلا چراغ برکف
سو خواب گہ بکاؤلی تھی
چلمن مژگان چشم مخمور
محراب سے در سے چشم و ابرو
آرام میں اُس پری کو پایا
چھاتی پہ کچھ کھلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی — برجوں پہ سے چاندنی تھی سر کی
لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
چاہا کہ بلا گلے لگا دے — سوتے ہوئے فتنے کو جگا دے
سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی — ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی
یہ پھول انھیں اژدہا نگاہی من — یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن
گل چھن کے ہنسی نہ ہووے بالکل — خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اُس سے بدلی — مہر خط عاشقی سند لی
آہستہ پھرا وہ سحر و بالا — سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا
ہیبت سے زمیں کے دل میں آیا — اندیشے کی طرح سے سمایا
جب نقب افق سے مہر تاباں — نکلا تو وہ ماہ رو شتاباں
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا — اُس نقب کی آستیں سے نکلا
وہ دیو پری اور وہ دخت انساں — دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے جب آ ملا وہ گلچیں — اُس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک گلچیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے — یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اڑایا — اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے — اُٹھی نکہت سے فرش گل سے
منھ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پر آب وہ چشمہ حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

جس نے مجھے ہاتھ سے لگایا / وہ ہاتھ سے لگے کہیں حنا یا
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے / کھال اسکی جو کھینچئے روا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک / خوں رو دی لباس کو کیا چاک
گل کا سا لہو بھرا گریباں / نسترے کا سا تار تار داماں
دکھلا کے کہا سمن پری کو / اب چین کہاں بکاؤلی کو
تھی بسکہ غبار سے بھری وہ / آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی / گلچیں کا کہیں پتا لگاتی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ / ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثل باد جاتی / اس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی
بے وقت کسیکو کچھ ملا ہے / پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

پہونچنا تاج الملوک کا ایک انڈھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے / اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشن مدعا کا گلچیں / یعنے تاج الملوک حق بیں
جسوقت وہ گل چمن سے لایا / محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی لو مراد پائی / بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
گل کی وہ غرض کر آشکارا / جو بن کی طرح اسے ابھارا
جب دیو سیاہ سے مہتاب / رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
اور گل لیے آفتاب تاباں / ہنگام سحر ہوا شتاباں
وہ مہر وش اور وہ ماہ پیکر / اس دیو کی پاس آئی مضطر
گل کی وہ غرض جتائی اسکو / رخصت کی طلب سنائی اسکو
کیا کہتی وہ دیونی کہا جاؤ / دیوؤں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دو بال دیے کہ لو مری لاگ / جب وقت پڑے دکھائیو آگ
دیو اُن کو سریر پر بٹھا کے / پرواز کناں ہوا پہ جا کے

ڈینگ آپ کی سب فضول ہے یہ — وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا — اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
قوت میں وہ چار تھے یہ بیکس — شورش میں وہ چار موج یہ خس
غولوں نے بزور پھول اُڑایا — اُس خضر کو راستہ بتایا
گل پانے سے بسکہ سرخرو تھے — گھوڑوں پہ ہوا کے شکل بو تھے
تعجیل سے رو براہ آئے — گل لے کے حضور شاہ آئے
گل لائے جو نور دیدہ دلخواہ — آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ
نیچے سے پلک کے پھول اُٹھایا — اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
نور آگیا چشم آرزو میں — آیا پھر آب رفتہ جو میں
خورشید بصر گہن سے چھوٹا — خیرات کے در کا قفل ٹوٹا
دولت جو پاس تھی لٹائی — زر بخشا گل کی رونمائی
ایک ایک کو اسقدر دیا زر — محتاج و گدا ہوئے تونگر
سجوائے طرب کے کارخانے — بجوائے خوشی کے شادیانے

پہنچنا بکاؤلی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں بنا

گلچیں کا جواب پتا ملا ہے — یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہے
وہ باد چمن خراماں — یعنے وہ بکاؤلی پریشاں
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اُس شہر میں آتے آتے آئی
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے
گلبانگ زناں تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستاں تھا
پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی — شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی
جادو سے بنی وہ آدمی زاد — انسانوں میں آملی پریزاد
سلطان کی سواری آرہی تھی — صورت جو نگاہ کی پری تھی
پوچھا اسے آدم پری رو — انسان ہے پری ہے کون ہے تو

کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے / ہے کون سا گل چمن کدھر ہے
دی اس نے دعا کہا بصد سوز / فرخ ہوں تمہارا میں ابن فیروز
گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں / غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
گھر بار سے کیا فقیر کو کام / کیا لیجئے چھوڑے گانوں کا نام
پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت / پوچھا کہ طلب کہا قناعت
باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ / لایا بصد امتیاز ہمراہ
چہرے سے امیر زادہ پایا / گھر لا کے وزیر آپ بنایا
نذریں لیے بندگان درگاہ / دستور سے آملے بصد جاہ
دربار میں چاروں شاہزادے / دیکھے تو کھلے وہ دل کے سادے
چاہا گلچیں کا امتحاں لے / پوچھا کہ نگیں جو لے کہاں لے
بتلانے لگے وہ چاروں ناداں / کوئی یمن اور کوئی بدخشاں
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے / خاتم کے نگیں بتائے ہوتے

تحقیق ز بس کیا یہ صاحب فکر / آیا تاج الملوک کا ذکر
نقش اسکو ہوا کہ بس وہی ہے / ان سادہ دلوں سے کندہ کب ہوئی ہے
ظاہر نہ کیا بطون اپنا (پوشیدہ) / طالع سے لیا شگون اپنا
منزل گہ رہرواں بنا کے / شام و سحر اسمیں آپ آکے
رہرو کو دیا بلطف و اکرام / آتے آرام جاتے پیغام
آباد ہو تاج الملوک کا گلشن نگارین / بنوا کے اور شہرہ ہونا
تعمیر مکاں سے ہیں جو آثار / یوں خامہ ہے بہ بیت معمار
شہزادہ کہ عازم وطن تھا / گل پانے سے خوش چمن چمن تھا
اندیشہ کیا جب اسنے بیٹا / اور داغیوں نے وہ پھول چھینا
سوچا کہ خوشی سے ندا کی غم کھاؤ / حمالہ دیونی کو بلواؤ
نقل ارم اک مکان بنا کے / رکھوں پریوں کو اپنی لا کے

بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی — وہ دیونی بال باندھی آئی
تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں — محمودہ کیا ہوئی کہاں ہیں
دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا — مسکن کے لیے تمھیں بلایا
لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ — جو باغ بکاؤلی کو دے داغ
حمالہ نے دیوؤں کو کیا یاد — آئے تو کہا یہ بن ہو آباد
ویرانے کو گل زمیں بناؤ — گلزار ارم سا ہر سو بناؤ
صناع طلسم کار تھے وہ — گلشن کے لیے بہار تھے وہ
دیوؤں نے اُدھر محل بنایا — کشتی سے وہ دخت رز کو لایا
حمالہ اس کی مادر پیر — محمودہ سے ہوئی بغل گیر
کچھ دیوؤں کو چھوڑ کر وہیں پر — رخصت ہو کر چلی گئی گھر
گلشن میں سمن بروں کو لایا — نسرین بدنوں سے گھر بسایا
دونوں کو محل میں لا کے رکھا — پھل نخل مواصلت کا چکھا
دیوؤں کو کہا کہ بھر مشکیں — آباد ہو گلشن نگار رہیں
وہ لو آدمی بسنے بن میں آئے — آتے جاتے کو گھیر لائے
جو سن کے خبر گیا اُدھر کو — جنت سے وہ [illegible] گھر کو
از بسکہ قریب شہر تھا باغ — خورشید افق نظر پڑا باغ
مفلس زردار امیر قلاش — نوکر تاجر فقیر خوش باش
گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان — پھر تن میں نئے آئے صورت جان

ملاقات ہوئی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا جواہر آگیں — یوں صفحہ قلم سے ہو نگاریں
ساعد نام ایک مہ لقا تھا — دلبر کا غلام باوفا تھا
صحرا سے جو سیر کر کے آیا — لکڑی کا گٹھا کے بوجھ لایا
دلوائے ہر ایک کو بے قوت — الماس و عقیق و لعل و یاقوت

تھی بسکہ وہ جا خلاصۂ دہر — کچھ ٹھہرے پھر آئے جانب شہر
کہتے ہیں وہ لعل بے بہا تھے — سن پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
شحنے نے سنا پکڑ بلایا — لے کر اظہار ساتھ آیا
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ اُمید — اک دائرہ تھا برنگ خورشید
دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا — بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا
جب واں سے طلب ہوا تو درباں — لائے اُسے پیشگاہ سلطاں
آداب کیا ادب سے ٹھہرا — ہیبت زدہ دور سے ٹھہرا
اُن لوگوں کو لے گیا تھا ہمراہ — معروض کیا کہ یا شہنشاہ
کم مایہ یہ لوگ ہیں بظاہر — چوری سے کئے تو یہ نہیں جواہر
ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد — نیت ہوئی ہوگی اسکی فاسد
حضرت یہ وہی تو ہیں تبردار — جا اسنے نہ لو لیو خبردار
پھر کر اُنھیں پاؤں شحنہ لے آس — آیا زین الملوک کے پاس
کی عرض کہ باغ اک بنا ہے — یہ شہر اُجڑا ہے وہ بسا ہے
جو کوئی سمجھے اُس جگہ پہ جاتا — ڈھیروں سے ہے جواہرات پاتا
حضرت نے کہا کہ بک نہ خیرہ — قاروں کا وہیں ہو گیا ذخیرہ
فرخ کہ وزیر باخرد تھا — سلطاں کا مشیر نیک و بد تھا
بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے — نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے
ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ — کچھ دور نہیں مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بنجانے کی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج — رکھتا تھا محل میں بار ور زوج
تھا داغ پسر مقدر اس کو — جنتی تھی ہمیشہ دختر اسکو
از بسکہ وہ شاہ تھا بد اختر — کرتا تھا حسد سے قتل دختر
اکبار محل میں پھر حمل تھا — وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا

کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری
بیٹا جو نہ دے جناب باری

اقبال کا کچھ نہ جانیے اوج
کرڈالیے ذبح دختر و زوج

کلیاں تھی غرض کہ راس اسکی
پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی

سلطاں کا جو عہد بے خلل تھا
گھر والوں کو خوف کا محل تھا

ملحوظ بدل بھا پردۂ راز
ستارہ شناسوں سے کیا ساز

ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند

پھر اہل نجوم محرم راز
بانو نے ملک سے ہو گئے دمساز

بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
گویا ہوئے دست بستہ آکے

حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
بد یمن مگر ہے ایک اختر

جبتک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں

حیلہ کر کے چھپائی یک چند
بیتاب ہوا جب آرزومند

وہ گندم جو نما تھی بالی
مردانہ لباس سے نکالی

خوش ہو گئے پدر نے پھر شادی
ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی

بن ٹھن کے عروس شکل داماد
شادی کو چلی بجان ناشاد

اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے
اور روز نکاح تھا سویرے

خیمے سے وہ بیقرار نکلی
اُس پھالے سے مثل خار نکلی

دیکھا تو اندھیری رات سنسان
اک عالم ہو ہے اور بیابان

اک دیو وہاں بہ گشت میں تھا
جویاے شکار دشت میں تھا

دیکھا تو کہا حضر سے آؤ
منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ

بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد
کیوں تنگ ہے جی سے کیا ہے بیداد

اے مرد خدا خدا کی سوگند
کہہ جس لیے ہو تو آرزومند

بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام
خنجر کا ہو گیا نیام سے کام

کہہ کر کھلے بندوں جی کی نکلی
بے ننگ ہوئی وہ شوخ نکلی

آنکھیں جھپکا کے دیو بولا تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
خاطر تری کے لئے طلسم دکھلاؤں تو مجھ سی بنے میں تجھ سا بن جاؤں
موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ کھول آنکھ کہا تو کھول دی آنکھ
پاسے مردانگی کے پرتو دامن میں سے دی چراغ نے لو
تھالی میں یہاں اُگا صنوبر واں شیشہ رہا ترش کے ساغر
اب یاں سے ہو قصہ مختصر طول فرخ کہ وہ تھا وزیر مقبول
بولا کہ سنا جو یہ ہوا ہے اس بات کا کچھ وجہ کیا ہے
شہ نے کہا سن وزیر دانا بے سمجھے شئے کو کہنے مانا
یاد آئی مجھے بھی اک روایت یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحتگری مرغ اسیر اور رہائی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد دانا تھا وہ طائر چمن زاد
بولا جب اُسنے باندھے بازو کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو
بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں
پالا تو مفارقت ہے انجام دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام
بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ سمجھاؤں جو پند اُسے گرہ باندھ
سن کوئی ہزار کچھ سناوے کیجے وہی جو سمجھ میں آوے
قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت عاجز ہو تو ہاریے نہ ہمت
آتا ہے تو ہاتھ سے نہ دیجے جاتا ہو تو اُسکا غم نہ کیجے
طائر کے یہ سن کلام صیاد بن داموں ہوا غلام صیاد
بازو کے جو بند کھول ڈالے طائر نے تڑپ کے پر نکالے
اک شاخ پہ جا چہک کے بولا کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا
ہمت نے مری مجھے اُڑایا غفلت نے تری مجھے چھوڑایا
دولت نہ نصیب میں تھی تیرے تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیاد نے دلاسا
بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جعل
ارباب غرض کی بات سن کر
فرخ یہ وہی مثل نہ ہوئے
مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
نقشے میں وہ گلشن نگارین
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
اس سوچ میں تخت گہ تک آیا
آداب اک کر کے حسب دستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے
ہو سکا کے بسائے مردم شہر
دعوے یہ ہو یاں نہیں والی
خیرات بھی لے یہ فتح شہر جو چاہو
بولا کہ وہ فتنہ گر نہیں ہم
درویشی میں دل کے بادشاہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو
بولا وہ بقیصر کی بلا جائے
بولا وہ کہ خنجر تا بہ فردا
یہ کہہ کے پھرا وزیر آیا

جا ملا پھر کچھ لگا کے لار
طائر بھی کہیں نکلتے ہیں لعل
کر لیجیے ایک بھیک نہ بار
دیکھا جو نکلے دہل نہ وہ
دکھلائی دیا وہ تقصیر آ
گلزار ارم سے تھا خوش آیا
پردیس میں ہوں کہ گھر مرا ہے
حیران وہ وزیر شہ تک آ
ٹھہرا تو وہ بادشاہ ستا
کیا جا کے کہ خود بھگا دی
بولا وہ کہ نام سے ہی کیا کام
بھیجا ہے زمین آسمان کا ہوا
بن گھیر لیا مکان بنا ہے
حضرت کا گھر ہے آپ پر ہو
آبادی میں آئی ہے خرابا
سر آنکھوں سے چلے جیسے سایا
شہزادے سے بیٹھا ہو وہ نشین
مسند کے تلے یہ گرا ہو
شل دل بدگماں کا تھا
باہم مہ و مہر کا قران
مشتاق جو ہو وہ شوق سے آ
اٹھ جائیگا درمیاں سے پردا
پہونچا تو وہ شہر خالی پایا

شہزادہ وہ شہ محل میں تھے واں
شہ نے جو وزیر آتے دیکھا
سلطاں کے نثار ہو کے دستور
دیکھ آیا میں وہ مکان یاقوت
تختہ ہے زمردیں کہ سیمو
نقشہ کہوں کیا نگار خانہ
دیووں کی بنائی ہے وہ بنیاد
واں صاحب تاج و تخت جو ہے
دیو اُس کے عمل میں آ گئے ہیں
کل آپ بھی چل کے کیجیے سیر

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک پر

اب خامے سے واشگاف یوں ہے
فرخ جو گیا تو شاہزادہ
رکھا کسی نقش پہ دو سرا پال
دعوت کی اُسے خبر سنائی
چھچھوں سے جنوں اُسکی تاڑی
غیروں سے جو تھا بھرا پیالا
صناعی انھوں نے رات بھر کی
بجتے ہی گجر وہ شاہ ذی جاہ
جو جو امرا تھے سب بلا کے
مشرق سے رواں ہوا دلاور
بجلی سے جو زرق برق آ کے
دیکھا تو تمام دشت گلزار

برہم زدہ بزم کے چراغاں
رے فرخ فرخ پکار اٹھا
بولا کہ بلا سے شاہ ہو دور
ہے معدن لعل و کان یاقوت
گلشن ہے جو اہرمن کہ جادو
جادو کا تمام کارخانہ
رہنے والے ہیں آدمی زاد
درویش ہے شاہ نام کو ہے
جادو سے محل بنا گئے ہیں
وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر
دل ملنے کی راہ صاف یوں ہے
سوچا کہ ہوں ٹھاٹھ کچھ زیادہ
حاضر ہوئی دیونی تو ہی بال
دیووں کے رخ اُس نے آنکھ اٹھائی
پلکوں سے زمیں بن کی جھاڑی
پھولوں سے بنا دیا خیاباں
مشتاق نے واں وہ شب سحر کی
چاروں شہزادے لیکے ہمراہ
فرخ کو خواصی میں بٹھا کے
جسطرح افق سے شاہ خاور
فرش ابر کی طرح نیچے پائے
دائیں بائیں دو رستہ بازار

شہر کہتے تھے دشت پُر خسک تھا
غافل تھے کہ سبز باغ ہے یہ
تجویز رہے تھے سب فرہنگ
اتنے میں سنا کہ صاحب تاج
کیا لشکری اور کیا شہنشاہ
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیر
شہزادے نے آمد اُنکی پائی
دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں
ایوان جواہر میں آ کے
وہ چتر کے زیر سایہ بیٹھے
جو جو کہ تواضعات ہیں عام
چکنی ڈلی عطر الائچی پان
رغبت سے اُنھیں کھلا پلا کے
اس تاج شہی میں کے نگیں ہیں
سلطاں نے کہا بصد لطافت
اک اور ہوا تھا قابل خشم
جب لائے یہ گل بکاؤلی کا
پوچھا اسنے وہ اب کدھر ہے
پوچھا شہزادہ نے کہ یا شاہ
اک انہیں سے چشم آشنا تھا
بولا کہ حضور اوسکو دیکھیں
صورت وہی رنگ رو وہی ہو
یہ سنتے ہی اسنے خندہ کر کے

فرخ کہتا تھا کل تلک تھا سر قدموں سے شاہ نے اُٹھایا
اپنے ہی جگر کا داغ ہے یہ لے کے بلائیں کاکلوں کی
جادو افسوں طلسم نیرنگ عرض اُسنے کیا کہ دو پرستار
چلتا بڑھے پیچھے سب ہو تاراج حضرت نے کہا بلا کے خبر
سناتے ہیں سنتے تھے کہ اشہد اللہ شہزادے نے اک مکان بتایا
سب من کی ہوس سے ہو گئی ہم سب اُٹھ گئے پر وہ چاروں باغی
کی تاک در خانہ پیشوا کی شہزادہ اُٹھا محل میں آیا
دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں دلبر سے کہا میں جب کھول آؤ
الماس کی شہ نشیں میں آ کے در پردہ سکھا کے باہر آیا
افسر سب پایہ بیٹھے دلبر نے کہا نخاؤں کی میں
لے آئے خواص نازک اندام اُٹھ جائیں یہ چاروں سست بنیاد
نقل و مے و جام و خوان الوان چاروں کا سنتے ہی اڑا رنگ
بولا شہزادہ مسکرا کے دکھلائی دیے جو بیٹھے لے رخ
کے نام و نشاں دلنشیں ہیں یاں دلبر تھے داغ وال سحر میں یہ
یہ چار ہیں مخصص خلافت وہ جعل وہ بار وہ غلامی
وہ نور بصر تھا دشمن جیش وہ دسترس اور وہ پابیری
نکلا تب خار در دشتی کا وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر
سلطاں نے کہا کہ کیا خبر ہے وہ سعی اور وہ دیونی کی صحبت
صورت سے ہو کوئی اسکی آگاہ تجویز کی وہ سرنگ کی راہ
کو کا آسی شاہزادے کا تو وہ سیر چمن وہ پھول لینا
دیکھا تو کہا مری نظر ہے وہ کور کے حق میں خضر ہونا
لیکن وہ ہی شگفتگی وہی ہے وہ بال کو آگ کا دکھانا
سر پاؤں پہ رکھ دیا پدر کے وہ تربت گلشن نگار میں

خط کی شہ ہوا امیدواری — القط ہے قلم کی دوستداری

لکھ کے کہا سمن پری کو — چالاک ہے تو ہی قاصدی کو

یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا — پورب کی سمت کو چلی جا

رستے میں ہے گلشن نگاریں — رہتا ہے وہیں مراد وہ گلچیں

خاتم کے نشاں سے نامہ دیکھو — ٹھہری رہیو جواب لیجو

خط خاتم لے کے وہ ہوائی — پتا ہوئی اور پتے پہ آئی

وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں — ثابت ہوا گلشن نگاریں

وہ آدم حور وش پری رو — یعنے تاج الملوک خوشخو

گلگشت میں تھا کسی روش پر — محمود وہ دائیں بائیں دلبر

قاصد نے جو رخ پری دکھایا — دھیان اس کو بکاؤلی کا آیا

پہچانتے ہی نگین خاتم — بے شبہ ہوا یقیں کا عالم

تحیر تو وہ یوں چلا تڑپ کے — انگارے پہ جیسے کبک لپکے

دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا — قاصد نے دیا وہ خط پری کا

گو سحر خموشی نے کھلایا — تحریر کو آنکھوں سے لگایا

قاصد سے کلام لطف بولا — خط صورت چشم شوق کھولا

وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا — قسمت کا نوشتہ ایک قلم تھا

تحریر تھی سرگذشت ساری — کچھ یاس تھی کچھ امیدواری

منگوا کے وہیں دوات و خامہ — تحریر کیا جواب نامہ

اے شاہ ارم کی دخت گلفام — فرخ لقب و بکاؤلی نام

اس نام کے اس لقب کے صدقے — اس نامے کے اس طلب کے صدقے

میں نے جو غرض سے جی چرایا — تو نے کیوں آ کے منہ چھپایا

میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں — تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں

تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس — افسوس افسوس ہائے افسوس

تقدیر پھری پھری نہیں تو — امید گئی گئی نہیں تو
اس کاوش میں کچھ بھی سانس پاتا — جی کھول کے داغ دل دکھاتا
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا — جو کھینچ کے یاں سے لیگیا تھا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے — وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
مر جاؤں اگر طلب میں تیری — میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں — یاں بھی جو رہا تو نیمجاں ہوں
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع — تو بستر شعلہ میں رگ شمع
تو برق دماں میں خرمن خار — تو سیل رواں میں خستہ دیوار
تو جوشش یم میں مور بے پر — میں نقش قدم تو باد صرصر
دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا — مر جاؤں گا اب میں جیونگا
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی — انسان کی ہے مرگ زندگانی
منظور جو ہو حیات میری — تو مان لے ایک بات میری
حمالہ کو بھیج آ کے لیجائے — شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے
بھیجا نہ اُسے تو جان لینا — آسان ہے یہاں بھی جان دینا
یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اُٹھایا — قاصد نے لیا جواب لایا
مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی — دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
پوچھا کہ اری تجھے خبر ہے — گلچیں پہ مرا کو نسا نشتر ہے
وہ صدقے ہوئی کہا بلا لوں — بے دیکھے کسی کا نام کیا لوں
یہ سُن کے وہ شعلہ ہو بھبوکا — بولی کہ تجھے لگاؤں لوکا
تیرا ہی تو ہے فساد مردار — داماد کو گل دیا مجھے خار
گل نقب کی راہ لے گیا چور — زندہ کروں اُس موے کو درگور
حمالہ جلی ہوں کیا کہوں میں — داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں
آگاہ جو دیونی سنے پائی — بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

بچھ سو وہ ہے کنیز زادی
میرا تو نہیں قصور ہے کچھ
مجرم جو وہ ہے تو لو میں لائی
آئی تو یہ زار و پیچاں تھا
حالہ کو دیکھتے ہی رو رو
بولی وہ ہنے بگاڑ کیا ہے
کچھ بول کے زیر لب وہ دل زار
لرزا سا چڑھا جو دیوی پر
اس سمت سے ہو چکی یہ عقیلہ
شکوہ کرنے لگی پری سے
گلزار کی سیر خوب بھائی
سب طرح گلوں کی ہو تو شیدا
کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
مادر کے کلام سن کے خستہ
میں کیا جانوں مجھے خبر کیا
تقریر جو پہلے بنت کی
جب اٹھ گئی یہ تو دیوی وہ
آیا تو وہ منتظر کھڑی جو ہشیار
واں غصہ بھری غضب وہ مجنون
واں شور مچا خشم گرم شمشیر
واں بیٹھا تھنے کو بلا وہ گیسو
بولی وہ پری بصد تامل
کیا کہتی ہوں یاں ادھر تو دیکھو

انسان سے ہوئی ہو اسکی شادی
شاید اسکا قصور ہے کچھ
یہ کہہ کے اٹھی چلی ہوائی
آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا
پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو
چل دیکھ تو پیچھے جھاڑ کیا ہو
ہیجان میں تپ کے جیسے بیمار
مانند حواس اڑی وہ مضطر
واں آئی پری کی ماں جمیلہ
یوں کہنے لگی بگولی سے
بچوں سے نہیں تو گھر بھی آئی
کیا پیچیں نہ ہوا ہو کوئی پیدا
رخ میری طرف نظر کہیں اور
بولی کہ چمن تو ہے مرا گھر
رخ اسکو کیے ہیں نظر کیا
وہ سادہ دل اٹھ کے گھر کو آئی
حاضر ہوئی لے کے آفتیں وہ
اندیشے سے کانپ اٹھا گنہگار
پلکوں سے یہاں نظر یہ چلمن
یاں قطرۂ اشک تر گلو گیر
یاں تاب سخن نہیں ہے سو سو
کیوں ہی نہیں لگائے تجھ وہ گل
میری طرف اک نظر تو دیکھو

محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
تو پر کا تو در نہیں کیا بند

بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم
پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم

اے شمع نہ سوچ گر بد و نیک
رشتہ کاٹیگا تجھ سے ہر ایک

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں
تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے
دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے

جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس
اب ایک کہو گی تم تو میں دس

رنجور جو ہوں تو میں تمھیں کیا
مجبور جو ہوں تو میں تمھیں کیا

مانا مری حالت اب ردی ہے
بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے

بلبل اُسی رشک گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

سوچی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی

مجنوں ہو اگر تو فصد لیجیے
سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجیے

کچھ روگ جو در پئے خلش ہو
درماں کے لیے دوا دوش ہو

بیماری عشق لا دوا ہے
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے

آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ
ایسا نہو لائے اور کچھ رنگ

یاد آئیں جو ابرواں خمدار
رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار

وہ سبزۂ خط جو یاد آئے
جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے

گر یاد کہیں چہ ذقن کو
کودے نہ کنوئیں میں باؤلی ہو

دیوانے کی مطلق الغنائی
ہے باعث مرگ ناگہانی

تدبیر کا جو صلہ نکالا
زنجیر کا سلسلہ نکالا

بیڑی بنتی رخ جنوں کی کاکل
پابوسی گل کو آیا سنبل

جب وحشت عشق ہو زیادہ
زنجیر ہے پیش پا فتادہ

شوریدہ بکاؤلی غضب تھی
زنجیروں میں بھی وہ بند کب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری
پڑھتی یہ غزل بہ آہ و زاری

غزل

عالم کا ترے جہاں بیاں ہے
بیتابی دل جہاں جہاں ہے

زنجیر جنوں کڑی نہ پڑتی
دیوانے کا پانوں درمیاں ہے

ذرے کا کبھی چمکے گا ستارہ
قائم جو زمین و آسماں ہے

جو داغ کہ مہر ہے فلک پر
دل میں مرے اب تلک نہاں ہے

کیں سوزش میں ہو نسیم لو لو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں

بہر گہر طلسم اخلاص
ہے بحر سخن میں خامہ غواص

وہ قطرۂ بارش جدائی
وہ غنچہ بحر آشنائی

وہ بادشہ حباب افسر
یعنی تاج الملوک مضطر

بے مہری چرخ سے جو ناگاہ
گرداب کے حلقے کا ہوا ماہ

جو ماہ سپہر برتری تھا
سو ماہی بحر ابتری تھا

بادل سادہ بحر آسماں جوش
بجلی سا لہر سے تھا ہم آغوش

دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں
طوفان طلسم جوش افسوں

گرنے تو وہ پانی سر سے گذرا
ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا

موجوں کے عوض تھی چیں داماں
گرداب کے بدلے تھا گریباں

آگے جو بڑھا تو سبزہ دیکھا
اشجار پھل کا ذخیرہ دیکھا

جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور
ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور

جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
ہے یاں کے درخت کا یہی پھل

اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام
ڈوبا خورشید ہو گئی شام

ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا
اک نخل کی جڑ پہ چھپ کے بیٹھا

ناگاہ سنی صدائے پر خوف
آیا اک اژدہا لپیٹے طوف

صورت میں پہاڑ کی نشانی
سیرت میں بلائے ناگہانی

منھ کھول کے سانپ اک نکالا
لہرا لہرا کے اوس چاٹی
جب صبح ہوئی تو منھ میں ڈالا
وہ جا کے افق میں سر چھپایا
سوچا وہ کہ لیجے من کسی طور
کچھ گائیں کلیلیں کر رہی تھیں
دودھ اُنکا دوہا پیا کہا لو
نکلا جو پھر آ کے شب کو اژدر
گوبر پھینکا تو دب گیا من
سب روشنی اندھیرے ہو گئے وہ
من لے کے جو اُسنے پھر مارا
دو مرغ تھے بیٹھے اک شجر پر
ہیں تجربہ کر چکی جہاں کا
مادہ سے یہ سن کے بول اٹھا نر
وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
اک سانپ ہے واں پہ چوٹ کرتا
لیکن جو یہ بندہ خدا جائے
لپکے گا خود اُسکو دیکھ کر سانپ
اُبھرے گا لگا کے جب یہ ٹوٹا
اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
سب خشک ہے ایک ہی ہری ڈال
پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
پھر توڑ کے اُسکے سبز پھل کو

اُس کالے نے من زمیں پہ ڈالا
بن میں کالوں نے رات کاٹی
کالے نے من اژدہے نے کالا
من اُگلی شب کے منھ سے نکلا
دشمن کا تھا سامنا کیا غور
بن میں ہری دوب چر رہی تھیں
گوبر کے اُپلیں سے چھوت پھینکو
گلخن سے دھواں دھوئیں سے اخگر
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ
شب کاٹ کے صبحدم سدھارا
مادہ لگی پوچھنے کہ اے نر
کھلتا نہیں کچھ طلسم یاں کا
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر
طائر کی سے ہوا میں ہیں سوا ہے
مارے سے نہیں کسی کے مرتا
تا حوض قدم قدم چلا جائے
منھ چادر آب میں یہ لے ڈھانپ
بچ جائیگا آدمی سے ٹوٹا
اُڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے
دو رنگ کے پھل ہیں سبز اور لال
انسان کا رنگ روپ پائے
پھل کچھ اُسے دے رہیگا کل کو

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
دو ہاتھوں میں لے جو کاندھے پر سے
ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال
پتے کی صفت بیان کیا ہو
منہ میں رہے گوند اسکا جبتک
تھا طلسم عیب مرغ گویا
کاسے نے جہاں سے کی سیاہی
طوطا بنکر شجر پر آکر
پتے پھل گوند چھال لکڑی
ہاتھ آگئی عصا کی تاثیر
اڑتا ہوا واں سے دور جاکر
من ران کو چیر کر چھپایا
اک حوض پر آب و تاب دیکھا
غوطہ جو لگا کے سر اٹھایا
دکھلائی بڑے دنوں سے شناخت
حوض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سختی سے دکھاتا تھا مقدر
نامردی سے اپنے نعرہ زن ہو
آگے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بارے جو پڑی نظر اسکے سب لے قید
جب جشن کے نہانے کا دن آیا

ہتھیار نہ اُس پہ کارگر ہو
بنجاتا ہے موم اگر ہو آہن
اُڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال
دم بھر میں بھرے جراحتوں کو
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
پھل کھا کے بشر کا روپ پاکر
اُس پیڑ سے لے کے راہ پکڑی
پرّاں ہوا صورتِ عنقا پھر
ٹھہرا دم لینے اک جگہ پر
پیتے ہی وہ زخم سب بھر آیا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا
وہ حوض وہ آب کچھ نہ پایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
نظّارہ تو کم خزانہ باقی

چھاتی پہ دھرا بچوں سے بڑھ کر
بیچاری چلی کسی طرف کو
آتا تھا دنوں کی جیسی آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
اُمید سے رہ گئی وہ نومید
غوطہ کسی حوض میں لگایا

اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
مردی نے جو پھر وجود پایا
ترکش پہ نگاہ کی تو تھا تیر
گو شمع بنا چراغ دامن
تھا مردمِ دیدۂ ظلمات
اک دیو کی مردہ دل سی مبہوت
زنبور سیاہ خال اُس کے
گٹھا لیے سر پہ لکڑیوں کا
شہزادہ کہ تھا گریہ منتظر
گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا جا
حیرت زدہ شاہزادہ لاچار
جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل
واں سے جو بڑھا تو ایک چشمہ
غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا
کھویا ہوا مال ہاتھ آیا
خورشید مرا گہن سے چھوٹا
یارب یہی اب میں چاہتا ہوں
ناداں ہو جو آبرو کو کھو دے
یہ کہکر کاندھے رکھ کے لاٹھی
کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس
دیکھا ناگاہ گو اک سبز
ٹوپی وہ جو سر پہ چھال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ

پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
پستانوں کو بے لمو پایا
قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر
روشن ہوا وہ رنگ و روغن
حال رخ و رنگ پر مساوات
پستاں سے قد اسکا نخل تابوت
برگد کی جٹائیں بال اُسکے
چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
وہ رو سیہ اُسکو سمجھی شوہر
کیجو نہیں دیر جلد آجا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل
پُر آب تھا چشم منتظر سا
پایا وہی رنگ روپ سارا
بولا وہ کہ شکر ہی خدایا
زنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
اُس پانی سے منہ اور ہاتھ دھو کے
گھوڑوں پہ ہوا کے باندھی کاٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
اک دیو سیاہ تھا لیے گرز
عریانی میں پردہ چھال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ

گریاں لبِ حوض اک پری تھی ۔ فوارہ کی طرح رو رہی تھی
پُرجوش و خروش اُسنے جو پایا ۔ روپوش سے تاج سر اٹھایا
دیکھا جو پری نے آدمی زاد ۔ آہستہ کہا کہ خانہ برباد
رستہ ترا کھو گیا کہاں سے ۔ کھا جائیگا دیو بھاگ یاں سے
بولا وہ بشر کہ دیو کیسا ۔ ہمکو تو ملا نہ کوئی ایسا
بولی وہ پری کہ جا کہا مان ۔ سر پہ ہیں ترے قضا کے سامان
بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے ۔ تم اپنی کہو ہماری کیا ہے
کیوں روتی ہو کس کی یاد میں ہو ۔ کیا رنج ہے کس فساد میں ہو
بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں ۔ اس دیو کے بس میں آ گئی ہوں
فردوس کا بادشہ مظفر ۔ روح افزا جسکی ہوں میں دختر
سردار گروہ دیولوں کا ہے ۔ سلطان ارم مرا چچا ہے
اک دن میں چلی چچا کے گھر کو ۔ ماندی تھی بکاؤلی خبر کو
رستے سے یہ دیو پھانس لایا ۔ اب تک تو خدا نے ہے بچایا
نام اُس سے بکاؤلی کا سنکر ۔ رونے جو لگا وہ سر کو دھنکر
پوچھا اُسنے کہ آدمی زاد ۔ تو کیوں رویا کہا کہ فریاد
واں خرمن عیش پر پڑی برق ۔ یاں بحر فسوں میں ہوا غرق
واں پھانس چبھی ہے اسکو غم کی ۔ یاں سانس نہیں ہے ایک دم کی
بولی وہ کہ چھوٹے اگر ہم ۔ رکھتے ترے زخم دل پہ مرہم
بولا وہ کہ چل کہا کہ ناداں ۔ وہ دیو کہاں کہاں تو انساں
دیولوں سے کبھی لڑ سکا ہے کوئی ۔ سایے کو پکڑ سکا ہے کوئی
بولا وہ کہ جی بچا نہ جانی ۔ دیو آگ تو آدمی ہے پانی
ہر چند کہ آتش جہاں ہو لاک ۔ دب جاتی ہو مشت خاک سے آگ
بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد ۔ وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی | لاٹھی سے جدا نہ ہوگا پانی
بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے | موسیٰ کا عصا ہے اژدہا ہے
یہ کہہ کے جتا کے جوہر اپنے | ساماں دکھا کے یکسر اپنے
ٹوپی جو اُتار لی تھی سر سے | پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے
لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا پہ جا کر | ظاہر ہوا ٹوپی کو اُٹھا کر
یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے | اُڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو | وہ آدمی لے اُڑا پری کو
وہ دیو پری کو اُڑتے پا کر | اُچھلا تو بلا ہوا پہ جا کر
شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی | جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی
بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن | بجلی سا عیاں ہوا یہ پُرفن
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا | حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا | بادل سا ہوا کا ہم قدم تھا
دیکھا جو شریر دیو نے گزارا | پتھر اک اُٹھا کے پھینک مارا
وہ سنگ گراں جسے یہ غول | تاثیر سے پھل کی بن گیا پھول
لٹھ اسکا پڑا تو وہ ہوا چور | جس طرح عصا سے جام بلور
غل کر کے زمیں پہ گرا دیو | مجبور ہوئے شریر ہاتھ دیو
بادل کی طرح جو اُڑے دشمن | لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن
موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو اسکا | ایک ہی لاٹھی نے سب کو ہانکا
سر کر کیا گروہ بے سروں کا | جی چھوٹ گیا دلاوروں کا
ٹوپی کو اُتار کر پری نے | جھٹ سے قدم لیے پری نے
شہزادے نے تاج سر پہ رکھا | لٹھ کاندھے پہ ڈال شہر پہ رکھا
فردوس میں جا کے صورت حور | ماں باپ سے آملی وہ مہجور
دیووں کی وہ سرکشی سنائی | انساں کی وہ مردمی جتائی

سُن سُنکے اُڑے حواس اُنکے / لائے نہ یقین قیاس اُنکے
پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہے / پوچھا کہ کہاں کہا یہاں ہے
یہ سنتے ہی اُسنے تاج اُٹھایا / خیر اتوں کو شعبدہ دکھایا
بال اُسکے وبال سے بڑھے تھے / ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے
تن خاکی تھا جان آتشیں تھی / عریانی قبائے پوستیں تھی
صورت سے فقیر تھا. بروگی / کی آؤ بھگت سمجھ کے. جوگی
حسن آرا اُس پری کی مادر / باپ اُسکا بادشہ مظفر
قدموں پہ گرے کہا ادب سے / حُرمت رہی آپ کے سبب سے
بولا وہ خدا خدا کرو واہ / ہے جملہ. جہان کا مالک اللہ
قادر وہی کبریا وہی ہے / آخر وہی ابتدا وہی ہے
بولے وہ کہ حق ہے جو ہے فرمان / تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
کھولو کمر آؤ لطف فرماؤ / شربت پیو میوہائے تر کھاؤ
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے / کھانے کا مزا رہا کسے ہے
سیاح کو کیا قیام سے کار / شبنم نہیں جاگزین گلزار
درویش رواں رہے تو بہتر / آب دریا بہے تو بہتر
روح افزا. بول اُٹھی اجی واہ / ہم جانے نہ دینگے تم کو واللہ
آرام کرو کرم کرو آؤ / ہم رام ہوئے نہ رم کرو آؤ
مجھ سے الگ مکاں میں لائی / آرام کی جا قرار پائی
اصحاب نیاز کھانے لائے / ارباب نشاط گانے آئے
تھا اپنے سوچ میں وہ سنسان / دُھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان
بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا / بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا

آنا بکاؤلی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کیساتھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کے جو ملنے کا بیاں ہے / یوں خامہ خوشی سے تر زباں ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا — مژدہ شاہ ارم تک آیا
جانا تھا یگانگی میں لازم — ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم
وہ ساکن خانۂ سلاسل — یعنی وہ بکاؤلی بیدل
کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی — خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی
سن کے قیدی کے زار نالے — زنجیر کے پیچ سے نکالے
تخت اُنکی سواریوں کے آئے — اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے
بانوے ارم سے شہ جمیلہ — دخت اسکی بکاؤلی عقیلہ
روح افزا سے ہو بغلگیر — صورت پوچھی کہا کہ تقدیر
کہہ سن کے مبارک و سلامت — بیٹھ اُٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت
روح افزا نے کہا کہ اچھی جان — تم جاؤ رہیں بکاؤلی جان
خاطر سے کہا کہ خیر لیکن — لیجاؤنگی خود میں ساتویں دن
یہ کہہ کے وہ دخت محتشم — آہو سی ارم کو کر گئی رم
روح افزا نے کہا بہن سے — بہتر نہیں کوئی جا چمن سے
گلگشت کریں چلو کہا خیر — کیا جانے کہ ہوگی سیر میں سیر
چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھا — کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
روح افزا نے کہا کہ ہمشیر — میں نے یہ سنا کہ تو ہے دلگیر
واللہ کہ چھان کر خدائی — تیرے پیارے کو ڈھونڈ لائی
سمجھی وہ ہنسی کہا سلامت ہو — نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا — پیارا ہووے گا وہ تمھارا
پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں — بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
بولی وہ کہ ہے آشنا تمھارا — پیارا نہیں پیاری کا ہے پیارا
گر اسکی تلاش میں ہیں کھوئی — بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی
جو چاہو کہو جواب کیا دوں — قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤں
سودا ہے مری بکاؤلی کو
مشہور ہے ضدّ انس و جانی
حسن آرا نے کہا جمیلہ
کاوش تری بے ثبات ہے یہ
وہ دل جو ہو جان دینے پہ راضی
بولی وہ جمیلہ ہوش میں آ تو
تجھ پر کئی آپ سے گئے ہیں قرباں
حسن آرا نے کہا کہ خاموش
اسباب نہ جمع کر ضرر کے
بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا
جب دل ہی پری کا آگیا ہے
انساں ہی سے تھے حضرت سلیماں
یہ قطرۂ بحر کبریائی
کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھے
دم دھاگے میں رشتۂ نفس کے

تو اپنی ہے تجھ سے کیا چھپاؤں
ہے چاہ بشر کی بکاؤلی کو
یک جا نہیں رکھتے آگ پانی
مجھ کو یہ نہیں پسند حیلہ
سو بات کی ایک بات ہے یہ
جاں سے گیا کر بگاڑ قاضی
جا کر کسی اور کو یہ سمجھا
لیجاوے مری پری کو انساں
شعلہ کو کیا ہے کس نے خس پوش
رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے
وہ بولی نہ تجھ سے کہتی ہوں کیا
انساں ہے تو کیا مضائقہ ہے
انساں ہی سے تھے مسیح دوراں
دریا ہے جو ہووے آشنائی
افسوس جو آدمی نہ سمجھے
پھندے میں پھنسا ہے بیش دیں کے

بیاہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک کے ساتھ اور رہنا ارم میں

شادی کے لیے ہو فلک شنجرف
حسن آرا تھی جو نیک تدبیر
پہچان سکے خال و خط سے انداز
بولی کہو کیوں کہا کہ مانا
وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے کہنا
ٹھہری یہ غرض کہ ہم بھی رات

انگشت قبول دیدۂ حیرت
دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر
وہ چپ جو رہی تو یہ سخن ساز
پر کھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا
ہنسنے تو سمجھ کے سر کیا ہے
فیروز شہ آگے چھیڑیے بات

جب سونے کو وہ محل میں آیا
یاد اُسنے کیا بکاؤلی کو
تصویر بشر دکھائی اُسنے
دیکھا تو نہ فرق تھا سر مو
نقشے سے وہی نگار پایا
کہنے لگی دل میں یا الٰہی
پیارے سے نہ ہو خلاف وعدہ
دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
روح افزا کا جو آگیا دھیاں
جانا کہ بہار فصل سے ہے
اقرار میں تھی جو بے حیائی
حسن آرا نے کہا مبارک
تاج درج یہ بنی ادھر بنا ہے
سیارہ شناس کو بلایا
شادی کی خبر سے خوش خوش آئی
راتوں کو جو گنتی تھی ستارے
واں مہندی نے چومے پا ہو خورشید
وہ واں پہ گلاب سے نہائی
واں غازے سے رخ شفق میں خورشید
افشاں ہوئی واں ستارہ افشاں
واں مانگ سے رنگ کہکشاں مانند
واں زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
آنچل ہوئے واں نقاب عارض

افسانۂ عشق اُسے سُنایا
لے آئی اُڑا کے اُس پری کو
شادی کی خبر سُنائی اُسنے
جا پہنچے خط و خال و چشم و ابرو
قسمت کا لکھا سا آ گئے آیا
شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
کیا سوچتے ہوں نصیب اعدا
کرتی تھی اُسی کی رُخ نظارہ
تسکین ہوئی آئی جان میں جان
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
شرمائی لجائی مُسکرائی
ایجاب اُسنے کیا مبارک
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آ لے
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
مشتاق کو خوشخبر سنائی
دن گننے لگی خوشی سے باسے
یاں سبز ہوا نہال اُمید
یاں تازگی آبرو نے پائی
یاں جم گیا منہ پہ رنگ امید
یاں جبینہ سے روشنی و خنداں
یاں لہلہائے سر سے ہلکے میں چاند
طرۂ کلغی پہ یاں تھا سرپیچ
سہرا ہوا یاں خضاب عارض

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا — یاں جامۂ وفا کا اسنے پہنا
محرم کے کسے گئے ادھر بند — ہمت کا بندھا ادھر کمر بند
واں گل سے بہار بوستاں تھی — آرائش تخت گل یہاں تھی
الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس — یاں جلوہ فروش تخت طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا واں فرش — یاں چرخی سے چرخ میں سر عرش
واں جلوے حنائی انگلیوں کے — یاں روشنی کے تھے پنج شاخے
بادل سے وہ واں گرج رہے تھے — یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے
واں پریوں میں ذکر آدمی زاد — نوشہ کے جلو میں یاں پری زاد
گلگوں تھا کسی کا باد رفتار — گلرنگ کسی کا تھا ہوادار
ہاتھی تھے تو مستیوں کی دھت تھی — گھوڑے تھے تو اپنی کی گت تھی
وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز — تھا پا بہ رکاب شوق مہمیز
درتک جو برات ادھر سے آئی — کی سب نے ادھر سے پیشوائی
فیروز مظفر ایسے دو شاہ — پر نور تھے جیسے مہر اور ماہ
باران گلاب و بارش گل — ہو کر بڑھے آگے کر کے تجمل
سلطان فیروز رشک جم تھا — نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
ہر پالے بنے کا شور و غل تھا — سنبل کا بنور تو بستر گل تھا
گل سے خوانوں میں زردہ لایا — ان غنچہ دہانوں کو کھلایا
خورشید سا آفتابہ لائے — منہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے
قلیاں پیے مشکبو دھواں دھار — بیڑے چکھے پان کے ہزار
جب عقد کی اسکے ساعت آئی — دو رشتوں میں اک گرہ لگائی
یکجا کیے وہ عروس و داماد — وہ جان پری یہ آدمی زاد
حیرت نے آئینہ دکھایا — شربت دیدار کا پلایا
زلفیں ہوئیں چہرے کی بلا چیں — [illegible]

جو چہرۂ آتشیں پہ تل تھا — اسپند نگاہ بد بدل تھا
جوڑی جو تھی بنّے بنی کی — سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جو گانے تھیں شہانے گا رہیں — لیتے ہوئے نیگ راگ لائیں
حق پا کے جو رکھتی تھیں قدامت — بول اٹھیں مبارک و سلامت
پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا — خلوت میں دولہا دلہن کو چھوڑا
پریاں کہ ہزار بار بھری تھیں — ارمان سے سب وہاں سے نکلیں
بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں — دروازوں نے بند کر لیں آنکھیں
طومار حجاب کو کیا طے — ساغر پہ جھکا وہ شیشۂ مے
مستانہ ملا دلہن سے نوشاہ — صحبت ہوئی دخت رز سے دلخواہ
مست آنکھیں تھیں رشک جام سرشار — لبریز ہوئی شراب دیدار
گردن تھی صراحی مے ناب — ہاتھ آئی وہ بہر مستی خواب
جب اوڑھی عروس مہر نے چادر — نکلا پردے سے شاہ خاور
ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے — خورشید نکلتے ہی سدھارے
یعنی دولہا دلہن سحر گاہ — نکلے آرامگہ سے دلخواہ
منھ دھو کر براتیوں نے موڑا — محظوظ وہ دولہا دلہن کو چھوڑا
وہ جوش گلاب میں نہایا — یاں رخ پہ عرق گلاب پایا
واں جوڑا جیسے تنگ بدلا — یاں جوڑے کے منھ کا رنگ بدلا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ — یاں پردے میں چھیڑ تھی خوش آہنگ

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاؤلی کو لیکر اور آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جو اب سر وطن ہو — گلگشت دو روز یاں پہ حرف زن ہو
شادی ہو کر وہ خانہ آباد — سوچا کہ بنا ہیں خانہ داماد
غربت میں وطن کی دھن سمائی — اس گل کو یاد ہند آئی
خلوت میں ہوا پری سے گویا — دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا

پانی تہ خاک کو رواں ہے — لو شعلہ کی سوئے آسماں ہے

عزم سفر وطن سمجھ کر — بولی وہ بکاؤلی کہ بہتر

چلیے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر — رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر

ہاتھ اسکا پکڑ کے باہر آئی — ماں باپ کے پاس دختر آئی

ہوتے ہی دو چار خویش و دختر — دو سے ہوئے چار اُس جگہ پر

وہ تینوں تھے قوم کے پریزاد — جو تھا اُن میں یہ آدمی زاد

چومی اُسنے زمین خدمت — غربت سے وطن کی چاہی رخصت

فیروز شہ و جمیلہ بانو — دونوں ہوئے سنکے سر بہ زانو

غوطے میں جو آ گئے وہ یکسر — بولی ماں باپ سے وہ دختر

پردیسیوں سے جو کی ہے نسبت — اب کیجیے ہنسی خوشی سے رخصت

دعوے نہیں کچھ دیے ہوئے پر — قائم رہیے کیے ہوئے پر

لازم جو ہو اسمیں کد نہ کیجیے — سائل کا سوال رد نہ کیجیے

بولے وہ کہ سخت تھا زبردست — خورشید کو ذرے نے کیا پست

انسان سے جھکی پری کی گردن — کانٹے سے رکا ہوا کا دامن

یہ کہہ کے منگائے دو ہوا دار — تسلو دیو بلائے باد رفتار

ہو کر دیوؤں کے زینت دوش — رخصت وہ اُدھر ہوئے ادھر ہوش

اشکوں سے شگون لیا نرالا — آئینہ رخ پہ پانی ڈالا

سونپا مختار کو جو مجبور — گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور

آئے تو وہ باغ سحر بنیاد — تھا آب و ہوائے خوش سے آباد

خیل و خدم اسکے منتظر تھے — مانند حواس منتشر تھے

پہچان کے اسپ نے غل مچایا — آیا تاج الملوک آیا

داخل جو ہوئے محل کے اندر — محمودہ لپکی دوڑی دلبر

پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو — دیکھو یہ کون ہیں قدم لو

دلبر یہ وہی بکاؤلی ہے — محمودہ دیکھ کیا پری ہے
سبحان اللہ کہہ کے دلبر — بولی کہ یہ گھر ہوا منور
محمودہ نے کہا مبارک — خشنودی آشنا مبارک
اُن مختصروں نے جب دیا طول — بولی وہ بکاؤلی کہ معقول
یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار — خوش پوش ہوا ایک جوڑے دو چار
درجے درجے رہیں وہ ذی ہوش — ہمخانہ وہ ہمدم وہم آغوش

طلب ہونا بکاؤلی کا راجہ اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج — اب یوں نے کہ خامہ ہے نوا سنج
از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز — ہے خرمن عیش پر شرر ریز
یک چند وہ مہ تھی کاہشو نمیں — گذری اک عمر خواہشوں میں
تقدیر سے جب مراد پائی — راجہ اندر کو یاد آئی
اندراسن آمرنگر ہے شہر ایک — خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک
اندر ہے بادشاہ اسکا — آسن ہے تخت گاہ اس کا
مصئون وہ قضا سے اسقدر ہے — اُس بستی کا نام امر نگر ہے
یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں — روحانیوں کا نشیمن اُسمیں
کہتے ہیں مورخان ہندی — آباد ہوا ہے سے وہ بستی
راجا کہ کمال پارسا ہے — مقبول جناب کبریا ہے
خالق نے دیا ہے فوق اسکو — نغمے سے ہے ذوق شوق اُسکو
انساں کا سرود و رقص کیا ہے — پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
باری باری سے جو پری ہے — راجہ اندر کی مجرئی ہے
لیکن جو بکاؤلی دل افگار — باری پہ پہونچ سکی نہ بیکار
اک شب راجہ تھا محفل آرا — یاد آئی بکاؤلی دل آرا
پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے — شہزادی بکاؤلی کدھر ہے

منہ پھیر کے ایک مسکرائی
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی

چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک

بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا
بولیں وہ کہ کہیے بیاہ اب کیا

ناتا پریوں سے اس نے توڑا
رشتہ ایک آدمی سے جوڑا

وہ سن کے خفا ہوا کہا جاؤ
جس طرح سے بیٹھی ہو اٹھا لاؤ

پریاں اڑیں اوپر اوپر آئیں
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں

دیکھا تو وہ دونوں کر رہے تھے خواب
گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب

ہمبستر آدمی پری تھی
سائے کے بغل میں چاندنی تھی

غافل جو سوتوں کو انہوں نے پایا
اس نقش مراد کو جگایا

جاگی تو سب اس کے جوڑ کی تھیں
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

بولیں کہ طلب کیا ہے چلیے
جوڑا یہ خراب ہے بدلیے

اٹھی اسے جی کی طرح چھوڑا
بدلا مانند رنگ جوڑا

ساتھ ان کے وہ تا بہ محفل آئی
لرزاں لرزاں مقابل آئی

راجہ نے نگاہ کی غضب سے
پوچھا کہ یہ بے حیائی کب سے

بو آتی ہے آدمی کی لے جاؤ
ناپاک ہے آگ اسے دکھا لاؤ

شعلہ سا پری کا جسم کانپا
منہ دامن اشک تر سے ڈھانپا

پریوں نے کشاں کشاں نکالا
صندل آتشکدے میں ڈالا

کافور سی جل اٹھی سراپا
ٹھنڈی ہوئیں تھا جنہیں جلاپا

جو آتش گل نہ لے چمن سے
چھو نکا اسے آگ میں جلن سے

جس رخ پہ تھی کاکل معنبر
تھا چشم زدن میں دود اخگر

جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک

جیسے نفس ایک خضر آئی
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی

شعلے سے زیادہ پاک داماں
آ کر ہوئی انجمن میں رقصاں

ناچی گائی غیر ناچار — اغیار ادا سے کر لیے یار
برخاست کا وقت صبحدم تھا — راجہ کہ وہ صاحب کرم تھا
بولا جا یوں ہی آئیو روز — جل بجھ کے سدا سنائیو سوز
رخصت پاتے ہی وہ ہوائی — پرّاں پرّاں ہوا سی آئی
پیشواز کنارے حوض اتاری — شب کی پوشاک پہنی ساری
بیتاب آ رانگہ تک آئی — ہمخواب کی آنکھ بند پائی
یوں سیج پہ آکے سوئی بیتاب — جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
وہ آ ہوئے مست خواب خرگوش — یعنی تاج الملوک بیہوش
اس شب کو بغل میں آکے جاگا — پھر دوسری شب وہ جاگے جاگا
دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے — پہلو میں جگر کے دم نہیں ہے
حاجت کی گماں سے جب ہوئی دیر — جھنجھلا کے پلنگ سے اٹھا شیر
دائیں دیکھا نظر نہ آئی — بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
عورت تھی گماں پڑے سے کھٹکا — جانا کہیں دل کسی سے اٹکا
اٹھ در نظر آیا در کا سایہ — سمجھا وہ پلنگ چار پایہ
آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا — پل مارتے ہو گیا سویرا
جاگا تو پری بغل میں پائی — وہ نقش وفا عمل میں آئی
دانستہ خبر ہوا نہ بیتاب — گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
جب دو پہر تلک گیا لب بام — پھر تابی پہ آیا وہ سر شام
معمول سے بزم میں ہوئے جمع — مینا و کباب و مجمر و شمع
جام اسنے بھرا کہا پیالے — دل اسکا بھرا تھا جام کیا لے
ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار — دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار
بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور — میں آج نہ ہونگا شامل دور
ہٹ اسنے جو کی تو ہاتھ مارا — شیشہ ہوا چور چور سارا

ہوتی ہے جو نوک شیشہ خنجر
چرکے لگے اسکے اُنگلیوں پر

بیداری شب کی گھات پائی
خلعت سر دست ہاتھ آئی

کف میں نمکیں کباب لے کر
چھڑکا نمک اُن جراحتوں پر

بند آنکھیں کیے ہوئے تشنہ لب
بیدار رہا تو آخر شب

پریوں نے ہوا سے تخت اُتارا
ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا

سوتا اسے جان کر اُٹھی وہ
پوشاک بدلنے کو گئی وہ

اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ
پوشیدہ ہوا برنگ سایہ

بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید
ذرّہ ہوا ہمرکاب خورشید

جاتے ہی زمیں سے آسماں پر
پہونچی اُس بزم میں سماں پر

لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا
پُر صوت و صدا وہ دائرہ تھا

ٹھیکے پہ پہونچ کے تخت ٹھہرا
مرکز پہ وہ نجم بخت ٹھہرا

آتشکدہ پریوں نے بنا کر
پھینکا اُسے پھول سا اُٹھا کر

شہزادہ کہ زیر تخت زرکار
تھا پہلوے گل میں صورت خار

فریاد نہ کرنے پایا مضطر
تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر

راجہ جس رُخ تھا محفل آرا
دل لیتی ہوئی چلی دل آرا

ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ
آگے تھی پری تو پیچھے سایہ

محفل میں جو آئی شمع محفل
پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل

جوگانی تھیں بیٹھی شل آواز
مُجرے کو اُٹھی وہ صورت ناز

وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی
خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی

رقص اسکا اگرچہ خوشنما تھا
سنگت کا پکھاوجی کھٹکا تھا

شہزادے نے دیکھ دائیں بائیں
لیں طبلہ نوازی کی بلائیں

آہستہ کہا کہو تو آول
فرماؤ تو سند کی بجاؤں

اُسنے جو پکھاوج اسکو دیدی
کیفیت اتفاق نے دی

تھا سحر پہ یہ اُس پری کا نقشا　　سب آنکھ بچا کے کہتے تھے آ
محفوظ کیا جو سب کو اکبار　　بخشا راجہ نے نو لکھا ہار
انداز سے اُس نے لیکے مالا　　کاندھے پہ بکاولی کے ڈالا
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار　　برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار
لے ہار وہ شاہزادہ فی الفور　　چھپا ہوا زیر تخت اسی طور
بادِ سحری چلی جو سن سے　　وہ شمع سدھاری انجمن سے
خورشید سے پہلے اوڑ کر آئی　　تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی
وہ حور حسن کے رُخ چلی اُتر کر　　یہ آنکھ بچا کے سوئے بستر
وہ آئی تو غافل اسکو پایا　　آغوش میں آ گلے لگایا
جب پردۂ صبح ہو گیا فاش　　خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش
اُس غنچہ دہن کا مسکرانا　　بے رنگ بکاولی نے جانا
ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں　　ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں
بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا　　آتش پہ کباب دیکھا تھا
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر　　دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں　　خورشید تھا آتش شفق میں
بولی وہ کہ مہر سے شب و روز　　عالم میں رہو گے رونق افروز
بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا　　گلزار خلیل رو برو تھا
بولی وہ بشر ہو تم دلاور　　سرسبز ہو قوم آتشی پر
بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں　　شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں　　جو ناچ نچاؤ ناچتی ہوں
بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا　　بخشا مہِ انجمن نے ہالا
ہالہ مہِ انجمن کا کیا تھا　　وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے　　بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے

کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا | پہچانتی ہو وہ طبلے والا
لیوں جی پہ اکیلے شب کو جانا | اوپر اوپر ہزرے اُڑانا
یہ سُن کے پری وہ سوختہ تن | بولی کہ سُن اے صلاح دشمن
میں جاکے جلی تو غم نہیں ہائے | ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آئے
میرے جلنے پہ خاک ڈالو | تم نام نہ واں سنکے جلنے کا لو
افروختہ آتش حسد ہے | جلنا یہ سپند چشم بد ہے
بولا وہ کہ یہ نہوگا مجھ سے | ہیں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا | لیکن اُسکی نے کہا نہ مانا
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت | یا قسمت یا نصیب یا بخت
واں جاکے وہ سوچی اسکو لاگ | لے چاہیے تو راجہ لاٹہ گا راگ
سنگت کا بچھا دُجی بنا کے | گائی یہ غزل مقام پا کے

غزل

ساقی قدح شراب دے دے | مہتاب ہیں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لے لے | باقی ساقی شراب دے دے
اُس بت سے نہیں سوال کچھ اور | اپنے منھ سے جواب دے دے
لیلیٰ میں سے نے تجھے بنایا | مجنوں مجھ کو خطاب دے دے
اُس گل سے نسیم زر نہیں مانگ | جو چاہیے وہ حساب دے دے

تصدیق پتھر ہوجانا بکاؤلی کا راجہ اندر کی بد دعا سے اور بتخانے میں وہ کر ملنا تاج الملوک سے اور کھدنا بتخانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگساری | یوں یا سے قلم ہوا ہے بھاری
خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی | گانی اور ناچنی بڑی تھی
راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے | جو چاہیے آج مانگ مجھ سے
دکھلا کے اُسی پکھاوجی کو | مانگا کہ یہ دو بکاؤلی کو
ارمان یہی ہوس یہی ہے | خاطر کی مراد بس یہی ہے

مانگا جو بشر پری سے نے بیباک
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
کھویا ہے تجھے تیری آرزو نے
کی ہے حرکت خلاف آئیں
اس سختی سے کچھ دنوں رہے تو
قالب ترا انقلاب کھائے
بارہ برس اس طرح گزر کر
اُسوقت جہاں تو چاہے جائے
روئی وہ بکاؤلی یہ سن کے
خواہش جو بلائے جاں ہوئی وہ
ناری تھی پری ہوا ہوائی
سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ
سبزے کی دھوپ چھاؤں مخمل
چشمہ اک آفتاب سا تھا
پریاں کچھ اُدھر نہانے آئیں
بولیں یہ وہی پکھاوجی ہے
وہ چونک کے بول اُٹھا کہ للہ
اندر کے غضب سے بنکے پتھر
پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور
یہ کہکے اُتاری سب نے پوشاک
پردے کا جو کچھ خیال آیا
بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
سوچا وہ کہ انکو دیکھئے چل

راجہ اندر ہوا غضبناک
لے چشمۂ آفتاب سے آب
جا تیری سزا یہی کہ تو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائیں
بعد اسکے خاک میں سے ملے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
تو اُسکو ملے وہ تجھ کو پائے
تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
ہلکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
خاکی تھا بشر زمیں جھنکائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ
صحرا میں بچھی تھی سو گیا شل
عاشق کی طرح بھرا ہوا تھا
دیکھا وہ بشر تو کھلکھلائیں
عاشق جس پر بکاؤلی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
ہے بت سی وہ ایک مٹھ کے اندر
بولا وہ کہ پھر کہا کہ مجبور
باہر ہوئیں جامے سے وہ بیباک
تن چادر آب سے چھپایا
موجیں باہم اُڑا رہی تھیں
خس پوش سکے وہ جامۂ گل

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
جھک جھک کے بدن چرائی آئیں
دکھلائی کسی نے چشم جادو
جھنجھلا کے کہا کہ لا اُدھر مانو
بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو
پوشاک جو لینی ہو تو پہونچاؤ
عریانی کے ننگ سے بچائیں
شہزادے نے کر کے پاس اُنکا
پریاں ہوئیں رخصت سج کے چرسند
شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
واقف اُس بتکدے سے تھیں وہ
وہ جا سے بکاؤلی بتائی
بتخانے میں تھا طلسم کا در
عقدہ کھلا شام ہو کر اُسکا
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر
تھی ناف سے لیکے تا بپا سنگ
چومے جو قدم اُس آدمی نے
نرمی سے کہا بخیر گذری
ہمیں تو پڑے وہاں پہ پتھر
گر پڑ کے زمیں پہ مثل شبنم
جبتک یہ تم پاس کھینچ لایا
تا آخر شب فسانے کہہ کر

باہر بصد آب و تاب آئیں
جانا کہ حریف نے اُڑا لی
رک رک کے قدم بڑھاتی آئیں
چمکائی کسی نے تیغ ابرو
ہمکو بھی بکاؤلی نہ جانو
ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہو
بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ
ستار کی قسمیں سب نے کھائیں
خلعت سا دیا لباس اُنکا
رہو جیسے ہوا حباب میں بند
اُس گل کو اُڑا لایا صورت بو
سنگلدیپ اُسکو لے گئیں وہ
دیوانے کو باؤلی بتائی
ششدر رہا چار سمت پھر کر
شق مثل قمر ہوا در اُسکا
جسم آدھا پری کا تھا آدھا پتھر
تھا گو وہ سرین سے آگے پا سنگ
سینے سے لگا لیا پری نے
کس سختی سے تم بغیر گذری
تم سمجھو نکہ سنکے کہا مقدر
بچھڑے پریوں سے گھر سے اُڑے ہم
سختی اب دور ہو خدایا
بولی وہ پری کہ اسے دلاور

یہ در مانند چشم بیخواب
ہوتا ہے سحر کو بند بیتاب

پیش از دم صبح تم نکل جاؤ
کل پھر سر شام خیر سے آؤ

مصرف کو جو ہو ضرورت زر
زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر

کانوں میں سے موتی کچھ نکالے
دامن پہ مثال اشک ڈالے

صدقے وہ بشر ہوا پری کے
قدموں پہ گرا بکاؤلی کے

بالوں اُسکے چھوے تو تیغ سو پائے
آنسو چھوڑے گہر اُٹھائے

نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر
پتھرا اُنگی چشم حلقۂ در

آنکھوں سے یہ دیکھتا ہوا گھر
آگے کو بڑھا چلا سوے شہر

بازار میں جاکے بیچے گوہر
مفلس سے ہوا وہ صاحب زر

گھوڑا جوڑا نفر حویلی
جو جو شے چاہیے تھی لے لی

جب منزل شب میں رہرو روز
لے گوہر شبنم آیا پُرسوز

گنبد گردوں کا تھا جو بے در
تاباں ہوئے اسمیں ماہ و اختر

سیاروں سے کرکے استخارہ
اُس برج کے رخ وہ مہ سدھارا

دیکھا تو در قبول وا تھا
رگڑا انھیں ایڑیوں پہ مارا تھا

شب سایۂ زلف میں بسر کی
لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی

تقدیر نے راستہ بھلایا
راجہ کے محل کی جانب آیا

چھتر اوت اُس کی ماہ پارہ
غرفے میں سے کرتی تھی نظارہ

دیکھا تو جواں تھا یہ تصویر
صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر

یاں پردہ در نظر سے گذرا
واں تیر نظر جگر سے گذرا

دستور تھا جسکو بیٹی چاہے
باپ اسکا اسی کے ساتھ بیاہے

راجہ سے خوش خبریاں کی
مشاطۂ خوش ادا رواں کی

شادی کی خبر سے وہ یکایک
خوش خوش آئی کہا مبارک

اُس شہر کا چترسین راجا
دختر رکھتا ہے ماہ سیما

ہر ملک کے شہریار آئے
ہر شہر کے تاجدار آئے

راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر
طالع قسمت نصیب تقدیر

بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جب
کیسی رانی کہاں کا راجا

دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ
غنچے کی گرہ میں کیا ہے جز داغ

الفت میں ہے آبرو گنوائی
کب چشمۂ مہر میں ہے پانی

مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
دور ہو مرے سامنے سے چل دور

ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ
قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ

پایا جو جواب منتظر نے
آنکھوں میں لگا خیال پھرنے

تقدیر کی بات ہونے والی
زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی

من سائیں کاران سے نکالا
بازار آیا وہ سرو بالا

کیا جوہری مول کرتے اسکا
راجہ تک رفتہ رفتہ پہنچا

جو مدعیوں کا مدعا تھا
مو قلم وہ ملا تو کیا برا تھا

جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے
سمجھا کے دبا کے دست پا کے

من چھین کے چوری کے بہانے
بھیجا کھلے بندوں قید خانے

زنداں میں وہ نیم جان و بسمل
زنجیر میں پاؤں زلف میں دل

غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا
دم کے دھاگوں سے ہونٹ سینا

داروغۂ محبس خفا نے
رانی سے کہا کسی بہانے

یوسف کی خبر لے او زلیخا
زنداں میں ہے وہ عزیز مرتا

اس چاہ میں کام ہو نہ جائے
یہ ماہ تمام ہو نہ جائے

دانا تھی وہ جیلخانے آئی
بگڑے ہوئے کو بنانے آئی

دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر
تھی حلقہ بہ حلقہ زلف زنجیر

آنکھ اس سے نہ جب ملائی اسنے
زنجیر اسکی ہلائی اسنے

پابند بلا وہ مبتلا تھا
کب اسکو خیال شب بپا تھا

رانی نے جو بیدلی نگہ کی — بیڑی کٹوائی بے گنہ کی
قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ — انکار رو گر نہ جانے دو آؤ
اٹھا وہ پری کی آرزو میں — یہ سمجھی کہ بچا نشا گفتگو میں
واں دھن کہ صنم سے کدخدا ہوں — یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں
تجویز میں اپنے اپنے مفہوم — آئی تو محل میں مچ گئی دھوم
راجہ نے ستارہ واں کا بلایا — سعدین کا زائچہ ملایا
دن ڈھل کے وہ ماہ نو سر شام — غائب ہوا سیر کر کے کچھ گام
دروازے کا سیٹھ کے دیدہ وا تھا — توبہ کا در کھلا ہوا تھا
آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ — دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ
دیکھے جو حنائی ہاتھ بے لاگ — تلووں سے پری کے لگ گئی آگ
پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی — کس راہ کی زن نے رہزنی کی
توفیق یہاں تلک جو لاتی — مہندی پاؤں کی گھس نہ جاتی
قدموں سے لگا پسا ہوا وہ — مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ
رانی کی وہ تھی سرگرانی — راجہ کی وہ تھی حکمرانی
من سمجھتے اپنا قید ہونا — داموں کے لیے وہ صید ہونا
چھترادت کا وہ آپ آنا — سب کہہ کے کہا خدا ہے دانا
شادی نہیں کچھ خوشی سے مانی — بے تیرے تھی مرگ زندگانی
غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا — شادی کے بہانے غم سے چھوٹا
پیاری یہ نہیں حنائی چنگال — ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال
زنجیروں سے پاؤں ہے نکالا — زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا
کالے ڈسیں بال اگر چھوئے ہوں — چھالے پڑیں گال اگر چھوئے ہوں
بگڑا ہی وہ کہ چل بنا نہ باتیں — مجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں
میری تجھے ایسی کیا لگی تھی — تلووں سے ترے حنا لگی تھی

تنگ آیا تو دیکھ قیدخانہ
آسان نہیں کڑی اٹھانا

پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں
فولاد جگر کہو تو میں ہوں

سہتی ہوں جہاں کی سختی سستی
آرایش جاں نہ تندرستی

اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ
سنگینی گراں نہ جلنے کا داغ

قسمت سے مفر ہے اب نہ مامن
پتھر کے تلے دبا ہے دامن

کب چاہیگی عقل مصلحت سنج
تم تو کرو شادی ہم کریں رنج

راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو
ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو

وہ معتقد اسکے پاؤں چھو کر
اٹھا بچھائی پہ رکھ کے پتھر

آیا تو وہ نو عروس زیبا
بستر پہ تھی تشکل نقش دیبا

نیند آئی جو تھی بصد کدورت
تھی چین بجبیں شکن کی صورت

سوئی تو تھی انتظار میں وہ
جاگی تو ملا کنار میں وہ

یوں سوئے جو کٹی شب جدائی
سوختہ نصیبی اپنی جانی

تھے صبح سے دونوں شام جویاں
شب کو ہوئے داخل شبستاں

دونوں تھے تصوروں میں کامل
خلوت خانہ تھا گوشۂ دل؛

دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے
پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے

کروٹ لے کر وہ عنبریں مو
اٹھ بیٹھنے کا سوچتا تھا پہلو

چپکی ہوئی بیٹھ سے وہ دلگیر
آئینہ کی پشت پر تھی تصویر

حسرت چھائی تو کھو گئی وہ
غفلت آئی تو سو گئی وہ

غافل اسے چھوڑکر اٹھا یہ
ایکا تو پری سے رخ کیا یہ

یہ جاگے ہوئی وہ فتنہ بیدار
دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار

دوری نے جو حد سے کی درازی
جانا کہ کہیں ہے عشق بازی

اس رات کو چپکی ہو رہی وہ
کل سمجھونگی کہہ کے سو رہی وہ

وقت سحر اسکو پاکے رائی
ہم بستر خواب سرگرانی؛

خلوت خانے سے باہر آئی — دربانوں کے پاس در پہ آئی
حکم ان کو دیا کہ شام کو آج — جانا ہمراہ صاحب تاج
سایے کی طرح سے ساتھ رہنا — جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
جس وقت چلا پری کا مانوس — سایہ سے پس قدم تھے جاسوس
وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا — وہ برج وہ مہ مقام دیکھا
اک اُن میں سے رانی پاس آیا — کی عرض کہ لو سراغ پایا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے — اک مٹھ میں مورت اک پری ہے
آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا — یکجا بت و برہمن کو دیکھا
لعل و گہر ایک درج میں ہے — شمس و قمر ایک برج میں ہے
آنکھ اسکی یہ سنکے خوں میں ڈوبی — مریخ بنی وہ ماہ خوبی
یاں اُسنے کہا وہ برج کھدواؤ — واں بولی بکاولی کہ لو جاؤ
یاں سے چلے لوگ واں سے وہ زار — لپکا یہ ادھر اُدھر وہ خونخوار
توڑا وہ مٹھ حباب آسا — پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا
شہزادے کے آگے بیچارے — انعام دیا کھلے خزانے
پاس اُسکا ذرا نہیں کیا کچھ — اور اُس سے کہا کہ لو سنا کچھ
بنیاد بنا کے کھدوائی — جاسوسوں نے کھود کر نکالی
غائب رہتے تھے روز شب بھر — اب دیکھو گے جاکے خاک پتھر
سنتے ہی وہ بیقرار لپکا — دوڑا بے اختیار لپکا
دیکھا تو وہ ماہرو نہ وہ برج — وہ لعل گراں بہا نہ وہ درج
شور اُسنے کیا کہ کیا یہ شر ہے — آواز آئی کہ بے خبر ہے
بنیاد پر افگنی کی بائی — ہے سوت مری وہ تیری رانی
کھدوایا جب اُسنے مٹھ بصد جور — رہنے کو ملا نہیں مکان اور
واں ٹھوکریں کھائی سخت تھیں سنگ — شکست بجائے خویشتن سنگ

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے / جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے

حیرت زدہ چپ خموش سنسان / ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان

آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی / گویا وہ ہوا سخن خوش بیانی

تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں / تو خار سی بیخ کن ہوئی کیوں

دوراں کو تھا انقلاب منظور / مختار خدا ہے بندہ مجبور

اُس دن سے ہوا وہ اُس سے مانوس / راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس

جب کام روا ہوئی وہ رانی / گذری بہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاؤلی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہوکر ملنا تاج الملوک سے

نقطوں سے ہوا قلم کا دہقاں / صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں

جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد / جیسے کہ ہو گرد باد برباد

دہقاں تھے نئی زمیں کے جویا / سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا

جب چین سے کر چکے تردد / کھیتی کی ہوئی زمیں پہ واشد

دہقاں کی زوجہ کے کھلے بھاگ / کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ

کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا / سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا

وہ بانجھ تھی جب حمل قبولی / سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی

ایام مقرری گذر کر / پیدا ہوئی اک حسینہ دختر

صورت میں پری جمال میں حور / قلقل سی وہ ماں تھی پیش کافور

مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ / لوگ آنے لگے پئے نظارہ

وہ منتظر ظہور نیرنگ / یعنی تاج الملوک دلتنگ

پھر جا سنکر چلا کہ دیکھوں / دیکھا تو کھلا نظر میں افسوں

جانا کہ پری وہ سوختہ تن / سانچے میں سے ڈھل کے نکلی کندن

چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا / اندر کا وہ قول یاد آیا

دہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے / دولت صدقے یہ سیم بر دے

دہقاں نے کہا کہ میرے صاحب
دختر جو پسند یہ لقا ہے
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
دن دن اسے ہو گیا قیامت
چلتی تو زمیں پہ سرو گرتے
خواہاں ہوئے ہمو قار اُسکے
کہہ بے سر برگی اپنی دہقاں
شہزادے نے ایک دن پھر آکر
دہقاں سے کہا کہ یا شہنشاہ
صحبت ہے برابری میں زیبا
دہقاں زادی وہ بے محابا
خواہاں سے مرے نہو نا خوش
مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
گذرا بارے جو عہد سختی
دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
واں تھا کسی وقت کا دفینہ
کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
اک آدمی زاد کی بدولت
ناگاہ سمن پری لیے تخت
رخت اُسنے سنبھ کے تخت اُڑایا

یہ باتیں نہیں تمھیں مناسب
بجتی نہیں لعل بے بہا ہے
جبتک کہ ہو کام کا نہیں بار
عورت ہو جواں تو نکلے کچھ کام
آیا کیا اسکو دیکھنے روز
بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
دہقاں ہوئے خواستگار اُسکے
بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں
شادی کو کہا حیا اُٹھا کر
تم کو وہ وقار ہیں پرکاہ
نسبت ہے برادری میں زیبا
بول اُٹھی گُبِن آن سے کہ بابا
ہے دختر رز نصیب مے کش
وقت آنے کا منتظر رہا وہ
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
آئے ایام نیک بختی
پچھواڑے مکاں کے لیگئی ساتھ
دکھلا کے کہا یہ لے خزینہ
تو کیا جانے بکاؤلی ہوں
لائی ترے گھر ہے مجھ کو قسمت
وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخت
داماں نظر سے منہ چھپایا

چترآوت کا محل جدھر تھا   سوتا جس رخ وہ سیم بر تھا

واں جا کے ہوئی وہ نور آگیں   پروانے کے اپنے شمع بالیں

بیدار کیا وہ ماہ پیکر   جاگا تو تھا آفتاب سر پر

اٹھا جو وہ کہہ کے آؤ جانی   آواز سے چونک اٹھی وہ رانی

منھ دیکھتے ہی بکاؤلی کا   سایہ اسے ہو گیا پری کا

بولی وہ بکاؤلی سیانی   ہے سوت مری یہی وہ رانی

بولا وہ کہ لونڈی ہے تمہاری   یہ کہہ کے اسے کہا کہ پیاری

چوٹی ہے مری تو ہاتھ ان کے   چل آ کہ چلا میں ساتھ ان کے

رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر   ہیں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر

یہ بات بکاؤلی کو بھائی   شہزادے کے ساتھ اسے بھی لائی

اڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں   کیا دور تھا گلشن نگاریں

مدت کے جو بعد گھر میں آئے   کھوئے ہوئے جیسے سب نے پائے

فردوس کی بیسوا کہ وہ دلبر   محمودہ دیونی کی دختر

چترآوت چترسین کی جان   آرام ارم بکاؤلی جان

ان چاروں میں ایک مست بادہ   پورب کا پادشاہ زادہ

پانچویں سر پنجۂ وفا تھے   یا خمسۂ مطلع صفا تھے

ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع   آمد ہوئی اقربا کی مسموع

فیروز شہ و جمیلہ دانا   حسن آرا اور روح افزا

پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو   اطراف سے مملکت کے ہیں لو

جو جو آیا بلا تکلف   اک قافلے سے ملا وہ یوسف

سلطانوں کی قدردانیاں کیں   مہمانوں کی میزبانیاں کیں

چندے رہا مجمع بد و نیک   رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک

روح افزا سے بکاؤلی کو   الفت تھی روکی دل لگی کو

رُکتا ہوا اُس پری کا مشکل — یہ دل لگی اب لگائے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیرزادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاؤلی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستان آئی — یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
روح افزا کو بکاؤلی نے — روکا جو یہاں کئی مہینے
اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی — یا آتش مہر کا دھواں تھی
وہ مست مئے فسانہ گوئی — مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
سلطاں کا وزیرزادہ بہرام — گلگشت چمن میں تھا گل اندام
لٹکی دیکھی پری کی چوٹی — ناگن سی اسکے دل پہ لوٹی
کھٹکے سے مگر بکاؤلی کے — بھاگا سائے سے اُس پری کے
جب کاکل شب سے رخ خورشید — تاباں ہوا، بہ چشم امید
دیکھا تو ماہ نو کا تھا برج — رکھتا تھا دریگانہ وہ درج
بیتابی سے نہ کچھ قرار پایا — مجبوری میں اختیار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی — سائے نے پری پہ کی چڑھائی
اس فتنہ کے خوابگہ تک آیا — مانند شُہا وہ منہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی — ناگاہ وہ مست خواب چونکی
آغوش کی موج سے وہ مضطر — مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
پیچھا لیے صحن تک وہ آیا — مہتاب کے پیچھے جیسے سایا
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی — انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا — رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
معشوق سے رہ گیا جو ناکام — تھا غم سے کنار گور بہرام
تنہا وہ سمن پری تھی اک روز — قدموں پہ گرا کہا بصد سوز

دل سے ہوں فدائے روح افزا
بولی وہ ارے بشر بڑی ہے
شہزادے کے ڈھنگ پہ نہ تو چل
بولا وہ کہ مجھ سے اُس نے ہی راہ
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
فردوس میں مالن ایک تھی جو ر
پوشیدہ تھی اُسکے لائی اُسکو
فردوس کی سیر کے بہانے
روح افزا کے لیے بنفشہ
حاجت کو ذرا گئی جو باہر
تحریر کیا کہ بے مروت
افسوس مجھے تو آرزو ہو
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
روح افزا کا سنگار کرکے
اُلٹا اُسے آئینہ دکھایا
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی
ہاتھ آکر جو نہ پائے وہ کون
سوچی تو نہ بوجھی وہ کہا کل
بہرام اُس سوچ کو سمجھ کر
وہ جانتا تھا نہ اُسکو سوجھی
ہاتھ آکے نہ پاسے جو وہ مجذوب

مرتا ہوں برائے روح افزا
روح افزا کیا بکاؤلی ہے
ہمتا ہے فلک نہ ہوگا بادل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
لے پہونچی زنانے بھیس سے وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
منھ بولی بہن بنائی اُسکو
چھوڑا منزل پہ رہنما نے
گلدستہ بنائی تھی ہمیشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت
اور آئینہ تیرے روبرو ہو
خود بینی سے جو کرے بجا ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
محو اُس کی ہوئی جو پیار کرکے
خط سمجھی وہ کاکلوں کا سایا
نقش عمل نگار جانا
بولی کہ بتا تو یہ پہیلی
ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون
کہد دل کی یہ کہکے آئی بیکل
بولا کیا ہے کہا اُ سمجھ کر
بولا لو بات کیا ہے بوجھی
ہو کر نہ دکھائی دے وہ محجوب

وہ سنکے جو دوسرے دن آئی
سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
بولی وہ کہ ہاں مجھے نہ سوجھی
روح افزا نے کہا کہ نادان
بولی وہ ابھی چھپی ہیں لائی
اس مژدے کا منتظر ہی تھا وہ
امرد کا لباس تھا زنانا
پوچھا کہو نام کیا کہا ننگ
یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
وہ جا کے کہا یہ پردہ پوشی
بہرام ہے تو ارے وہی چور
بد بیں سمجھ کے گو رکا نام
طوق اُس کو طلسم کا پنھایا
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی
غماز تھی اک خواص اُسکی
اک دن پنجرا اُٹھا کے لائی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
گستاخ جو اُس بشر کو پایا
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اسکو
ک اُسکو لے سے چلے جلانے
ہزادہ بکاؤلی کے ہمراہ
دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
جلنے سے پناہ دیکے اُسکو

تقریر سنی ہوئی سنائی
پوچھا کس نے بتائی ہے یہ
منہ بولی بہن نے میری پوچھی
ہمراہ اسے کیوں نہ لائی تو یاں
جاکر طلبی اسے سنائی
ساتھ اسکے زنانے میں گیا وہ
دھوکا کچھ کھا گئی وہ دانا
پوچھا کہ نشان کہاں دل تنگ
بادام بنفشہ کو دکھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
وہ سمجھا کو بتاؤں سحر سے گورہ
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
قمری اسے سرو نے بنایا
شب کو اسے آدمی بنائی
دستار تھی وقت خاص اسکی
حسن آرا کو وہ شکل سمجھائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
غصے غضب اس پری کو آیا
آتشکدے میں جلاؤ اسکو
تقدیر کے سپنے کار خانے
گذرا اسی راستے سے ناگاہ
بوتے میں تھا شکل نقرۂ خام
فردوس میں آئے لیکے اسکو

زندہ اُسے پا کے حسن آرا | بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
قابل یہ جلانے کے ہو فاسق | روح افزا کا ہوا ہے عاشق
بولی وہ بکاؤلی کہ قربان | یہ کون سی فہم ہے پچی جان
پیاری کا جو اپنے ہو پیارا | کیونکر ستم اُس پہ ہو گوارا
حسن آرا نے کہا بجا ہے | تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار | تب عیب نہ تھا تو اب ہو کیا عار
کیا کہتی وہ دم بخود رسا کی | سوچی سمجھی رضا خدا کی
مرسوم تھے جس طرح کے انداز | شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
دو ساز طرب ملے خوش آہنگ | دو راز ادب کھلے بصد ننگ
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور | فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
گلزار جو اُس زمیں میں آ کر | آباد ہوئی وہ یاسمن بر
حاصل ہوئی اُن گلوں کو بیخار | سیر شب زلف و صبح رخسار
جس طرح اُنھیں بہم ملایا | بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تاریخ اختتام تصنیف این کتاب از مصنف

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد | گلزار نسیم نام بنہاد
بشنید و نوید ہاتفے داد | توقیع قبول روزیش باد

۱۲۵۴ھ

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

مارچ ۱۹۲۹ء